جلد 4 شمارہ 11 جنوری 2003ء ذیقعد 1423ھ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ

اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ کا ہمسر بنا لیتے ہیں ان سے اللہ کی محبت کی مانند محبت کرتے ہیں جبکہ اہل ایمان شدید محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں
(البقرۃ۔165)

اللہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاح آدمیت

گوجرانوالہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض ومقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالی کے قرب وعرفان اور اسکی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اورادو اذکار کی تلقین۔
- غصہ ونفرت، حسد وبغض، تجسس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالی کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

بیادگار
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 4 شمارہ 11 جنوری 2003ء ذوالقعدہ 1423ھ

قیمت ——— -/15 روپے سالانہ فنڈ ——— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نز د وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:0431-893535

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-293379

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

آج ہم جن مسائل میں گھرے ہوئے ہیں اور اپنی کمزوری کے باعث جگہ جگہ زلت و رسوائی سے دوچار ہیں۔ ان مسائل کے حل اور کمزوری کے علاج کے متعلق کسی سے بھی بات کی جائے تو وہ ان کا حل یہی بتائے گا کہ ہم نے اللہ کا بتایا ہوا طریق زندگی ترک کر دیا ہے اگر اس کو اختیار کر لیا جائے تو ہم ایک باوقار قوم کی زندگی جی سکتے ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ ہم جانتے بوجھتے ہوئے کہ حق و باطل کیا ہے' خیرو شر کیا ہے اور صراط مستقیم و گمراہی کا راستہ کیا ہے وہ اختیار نہیں کرتے جو ٹھیک ہے اور جو غلط ہے اس کے لئے ہم اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔

ہماری ہدایت اور راہنمائی کے لئے قرآن مجید اور سیرت رسول ﷺ مکمل نمونے کے طور پر موجود ہے لیکن ہم اپنی عملی زندگی میں ان سے راہنمائی حاصل کرنے کو در خود اعتناء نہیں سمجھتے اور اپنے معمولی سے فائدے کے لئے احکامات خداوندی کو نذر انداز کرتے ہیں۔ کہنے کو تو ہم خود کو بڑے فخر سے مسلمان کہتے ہیں لیکن ہمارے روز مرہ کے اعمال کا اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ اس وقت دنیا کی امامت جن قوموں کے پاس ہے وہ سائنس اور ٹیکنالوجی ہم سے بہت آگے ہیں اور ہم اپنی ضروریات زندگی اور دفاعی ضرورتوں کے لئے ان کے دست نگر ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں تقریبا" سات سو کے قریب ایسی آیات ہیں جن میں کائنات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ غور و فکر اس وقت مسلمانوں کی بجائے غیر مسلم اقوام کر رہی ہیں اور مسلمان اقوام ہر طرف سے زلت اور رسوائی میں گھری ہوئی ہیں لیکن احکامات خداوندی کو اپنانے کا نہیں سوچتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو صرف پڑھنے ہی نہیں سمجھنے اور عمل کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ ہم نے قرآن کو خوبصورت غلافوں میں بند کر کے رکھا ہوا ہے۔

کائنات میں غور و فکر کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس آیت سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ!"کیا انہوں نے دنیائے ارض و سماوات اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں نظر نہیں کی؟ عجب نہیں کہ ان کا وقت قریب آ چکا ہے۔ (اتنی صراحتوں کے باوجود) آخر وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔(اعراف۔185)

اس وقت اس خطہ ارض پر پچاس کے قریب آزاد اسلامی ممالک ہیں۔ یہ ممالک آزاد ہونے کے باوجود دفاعی' تمدنی' زرعی اور معاشی اعتبار سے آزاد نہیں ہیں۔ ان کی آزادی بڑی طاقتوں کی

مرہون منت ہے۔ کیونکہ فوجی اور تمدنی نقطہ نظر سے یہ تمام ممالک پسماندہ ہونیکی وجہ سے ان طاقتوں کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ اس غلامی سے چھٹکارا پانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ ممالک ہر اعتبار سے خود کفیل نہ ہو جائیں۔ ان ممالک کو ہر لحاظ سے خود کفیل ہونے کیلئے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی انتہای ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کو نظرانداز کرنے کو ان لوگوں کی موت قرار دیا ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کائنات کو انسان کے لئے پیدا فرمایا ہے اور انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو تسخیر کرکے اپنے تصرف میں لائے۔

دین اسلام کے دو حصے ہیں ایک روحانی دوسرا مادی و سیاسی۔ اس دنیا میں غلبہ و سربلندی کے لئے یہ دونوں حصے لازم و ملزوم ہیں۔ کسی ایک حصے کو نظرانداز کر کے ہم کامیاب نہیں ہو سکتے موجودہ دور کے مسلمانوں نے مادی و سیاسی حصے کو بالکل ہی بھلا دیا ہے اور ہمارے علمائے کرام بھی صرف عبادات کی حد تک محدود ہیں اور مادی و سیاسی پہلو کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس دنیا میں عزت و وقار کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے یہ دونوں انتہائی ضروری ہیں۔ لہٰذا آج عالم اسلام کی اس پسماندگی کو دور کرنا اور مسلمانوں کو ان کے صحیح منصب و کردار سے آگاہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔

آج خلافت اسلامیہ کے قائم کرنے کے لئے تمام عالم اسلام کو مادی و سیاسی اعتبار سے طاقتور ہونا اور سائنس و ٹیکنالوجی میں خود کفیل ہونا انتہائی ضروری ہے۔ یہ عظیم ترین کام عالم اسلام کے اتحاد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ فوجی و عسکری اعتبار سے خود کفیل بننے کے لئے تین بنیادی چیزیں بہت ضروری ہیں ۔ (1) فنی مہارت (2) قدرتی وسائل (3) مال و دولت ۔ یہ تینوں چیزیں کسی بھی ایک اسلامی مملکت کے پاس موجود نہیں۔ کسی کے پاس فنی معلومات (کسی حد تک) ہیں تو ان کے پاس وسائل کی قلت ہے۔ اگر کسی کے پاس وسائل ہیں تو فنی معلومات کی قلت ہے۔ اگر دنیائے اسلام میں اس قدر ہم آہنگی پیدا ہو جائے کہ ایک دوسرے سے فائدہ لے اور دے سکیں تو پھر نہ صرف یہ کہ ایک بہت بڑا انقلاب آسکتا ہے بلکہ بڑی طاقتوں کے چنگل سے رہائی بھی مل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آپس میں متحد ہونیکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام وحید احمد

کیا قرآن کو سمجھ کر پڑھنا ضروری نہیں؟

(بقیہ حصہ)

(شمس پیرزادہ)

دینی اجتماعات درس قرآن سے خالی

یہ بات بھی عجیب ہے کہ مسجدوں میں دینی اجتماعات کئے جاتے ہیں جن میں بزرگوں کی کتابیں تو بڑے اہتمام سے پڑھی جاتی ہیں لیکن درس قرآن کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اگر درس دینے کے لئے کوئی قابل آدمی موجود نہیں ہے تو کسی بھی ترجمہ و تفسیر میں سے جس پر اطمینان ہو پڑھ کر سنایا جا سکتا ہے تاکہ اللہ کا کلام معنی و مفہوم کے ساتھ ان لوگوں کے سامنے آئے اور یہ چیز دوسری چیزوں کے مقابلہ میں زیادہ مفید اور موثر ہو سکتی ہے لیکن فضائل بیان کرنے والوں کو قرآن کی یہ فضیلت دکھائی نہیں دیتی اگر کہیں درس قرآن دیا جا رہا ہو تو انہیں اس سے دلچسپی نہیں ہوتی لیکن اگر ان کے اپنے حلقہ کی کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جا رہی ہو تو گہری دلچسپی کے ساتھ اس کو سنتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ قرآن کو کیا مقام دیا جانا چاہئے تھا اور ان لوگوں نے کیا مقام دے رکھا ہے۔

کیا غیر مسلموں کو مترجم قرآن دینا جائز نہیں؟

جب تبلیغ کی غرض سے قرآن کریم ترجمہ و تفسیر کے ساتھ غیر مسلموں کو پیش کیا جاتا ہے تو بعض لوگ اس پر اعتراض کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن کو چھونے کے لئے پاک ہونا ضروری ہے اس لئے قرآن غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں۔ قرآن کو چھونے کے جو آداب اہل ایمان کے لئے ہیں وہ غیر مسلموں کے لئے نہیں ہو سکتے۔ ایک مسلمان کے لئے جو جنابت کی حالت میں ہو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ غسل نہ کرلے لیکن یہ قید غیر مسلم کے لئے نہیں ہو سکتی چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ثمامہ بن اثال کو جو کافر تھا اور اسیر بن کر آیا تھا مسجد نبوی میں ستون سے بندھوا دیا تھا اسی طرح قیصر و کسریٰ کو جو دعوتی خطوط نبی ﷺ نے بھیجے تھے ان میں قرآن کی آیات درج تھیں۔ معلوم ہوا کہ تبلیغ کی غرض سے قرآن کا کوئی حصہ یا پورا قرآن غیر مسلموں کو دیا جا سکتا ہے وہ اگر اس کے ساتھ کوئی ناروا سلوک کرتے ہیں تو اس کی ذمہ داری ان ہی

پر ہے۔ البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ وہ اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کی توہین کریں گے تو پھر اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ موجودہ زمانہ میں طباعت کی ترقی نے مترجم قرآن کو سہل الحصول بنا دیا ہے۔ غیر مسلم بھی آسانی سے مکتبوں سے اس کی کاپیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ اب کیا مکتبہ والوں کو اس کا پابند بنایا جائے گا کہ وہ غیر مسلموں کے ہاتھ مترجم قرآن فروخت نہ کریں۔ صورت حال تو یہ ہے کہ غیر مسلموں کے پریس میں قرآن چھپتا ہے اور غیر مسلم اشاعتی ادارے اسے شائع بھی کرتے ہیں یہ سب کچھ گوارا کیا جاتا ہے لیکن جہاں غیر مسلموں کو قرآن کے پیغام سے روشناس کرانے کے لئے مترجم قرآن دینے کی بات آتی ہے کچھ لوگ اس پر معترض ہوتے ہیں۔ ان کا یہ اعتراض دعوت و تبلیغ کے کام میں رکاوٹ کا باعث ہے۔

کیا قرآن کی تلاوت باعث اجر نہیں؟

اور جو کچھ عرض کیا گیا اس کا منشاء ہرگز یہ نہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کو بے وقعت قرار دیا جائے۔ قرآن اور حدیث میں تلاوت اور حفظ قرآن کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے اس کے پیش نظر ایسی بات کہنا بڑی جسارت ہو گی۔ ہمیں دین کے معاملہ میں افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ اختیار کرنا چاہئے ہم نے اس مسئلہ پر تفسیر دعوۃ القرآن میں سورہ عنکبوت کی آیت اتل ما اوحی الیک من الکتاب "تلاوت کرو اس کتاب کو جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے" (عنکبوت 45) کی تشریح کرتے ہوئے جو نوٹ لکھا ہے وہ یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

حق و باطل کی اس کشمکش میں جس کا ذکر اوپر ہوا نبی ﷺ کو اور آپ کے توسط سے آپ کے پیروؤں کو تلاوت قرآن اور اقامت صلوۃ کی ہدایت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگر یہ منکرین اپنی زندگی تلف کر رہے ہیں تو کرنے دو۔ تمہیں اپنے اندر وہ وصف پیدا کرنا چاہیے جو تمہاری زندگیوں کو سنوارنے والا اور تمہیں فلاح آخرت سے ہم کنار کرنے والا ہو اور وہ وصف ہے اللہ سے گہرا تعلق اور اللہ سے گہرا تعلق کتاب الٰہی کی تلاوت اور نماز کے اہتمام سے پیدا ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت کا پورا پورا فائدہ تو اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اس طرح تلاوت کی جائے جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔ یتلونہ حق تلاوتہ۔ یعنی سب سے پہلے آدمی کا اس پر ایمان ہو، پھر اسے سمجھنے کی کوشش کرے اس میں غور و فکر کرے، اس سے نصیحت پذیر ہو اور اس کی رہنمائی کو قبول کرتے ہوئے اپنی عملی زندگی کو اس کے مطابق بنائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر عربی داں مسلمان ہر وقت ترجمہ کے ساتھ ہی قرآن پڑھیں۔ ایسا کرنا ممکن نہیں

کیونکہ نماز میں صرف تلاوت ہی کی جاتی ہے ترجمہ پڑھنے کا وہاں سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت اللہ کا کلام ہونے کی حیثیت سے بجائے خود عبادت ہے اور تقرب کا بہت بڑا ذریعہ کیونکہ جب کوئی شخص اس کتاب پر ایمان رکھتے ہوئے خلوص دل سے اس کی تلاوت کرتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے اور کلام الٰہی کی تاثیر سے اس پر خشوع طاری ہوتا ہے اور یہ بہت بڑی روحانی دولت ہے اسی لئے اس کے ایک ایک حرف پر اجر ملتا ہے لہٰذا قرآن کریم کی تلاوت کی اہمیت کو گھٹایا نہیں جا سکتا اس کا جس قدر اہتمام کیا جائے موجب اجر ہو گا۔ اس کی ترغیب قرآن میں دی گئی ہے اور حدیث میں بھی۔ رہے وہ لوگ جو قرآن کی تلاوت تو خوب کرتے ہیں لیکن کبھی اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے نماز کو تو لوگ پڑھتے ہیں مگر یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ وہ اس میں کیا پڑھتے ہیں یہاں تک کہ انہیں سورہ فاتحہ اور رکوع و سجود کی تسبیح کے معنی بھی نہیں معلوم ہوتے اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ نماز میں وہ کس چیز کا اقرار کرتے ہیں اور کس چیز کا انکار۔ جس طرح ایسی نماز ادا تو ہو جاتی ہے لیکن اپنے ثمرات' اپنی برکتوں اور اپنے اجر کے اعتبار سے ناقص ہوتی ہے اسی طرح تلاوت قرآن سے عبادت کا فائدہ تو ضرور حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس کے معنی و مفہوم کی طرف سے بے پرواہی کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ اس عبادت کے اجر میں کمی واقع ہو جاتی ہے بلکہ ایسا شخص قرآن سے فیضاب نہیں ہو پاتا اور اپنی تربیت' تزکیہ اور رہنمائی کے لئے جو تعلق قرآن سے قائم کرنا چاہیے وہ تعلق قائم نہیں کر پاتا اور یہ بہت بڑی محرومی ہے کیا ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ نہ پوچھے گا کہ جب اللہ کی کتاب تمہارے پاس موجود تھی تو تم نے اس کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ کیا یہ کتاب صرف تلاوت کے لئے اتاری گئی تھی یا اس لئے اتاری گئی تھی کہ تم اس سے روشنی حاصل کرو۔ (تفسیر دعوۃ القرآن ص1411)

جو لوگ بے سمجھے بوجھے قرآن پڑھنے کے عادی ہو گئے ہیں وہ اس حدیث پر بھی غور فرمائیں۔

لم یفقه من قرا القران فی اقل من ثلاث (ترمذی ابواب القرات)

"جس نے تین دن سے کم وقت میں (پورا) قرآن پڑھا اس نے کچھ نہیں سمجھا"

ظاہر ہے جو شخص تین دن سے بھی کم وقت میں قرآن ختم کرے گا وہ اللہ کی کلام پر سے سرسری طور سے گزر جائے گا اور اس کے معنی و مفہوم کی طرف کوئی توجہ نہیں کرے گا۔ ایک عربی جاننے والا شخص بھی اگر ایسی قرات کرتا ہے تو اس کو مذکورہ حدیث میں ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوتی ہے کہ قرات قرآن سے مقصود محض الفاظ کو زبان سے ادا کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کو سمجھنے کی کوشش کرنا بھی ہے۔

پھر قرآن کو سمجھ لینا بھی کافی نہیں بلکہ اس کا اتباع اور اس پر عمل بھی ضروری ہے۔ قرآن بار بار صراحت کرتا ہے کہ آخرت کی کامیابی ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لا کر عمل صالح کریں گے۔ اس لئے قرآن کی رسمی تلاوت پر اکتفا کرنا اور اس کو سمجھنے کی کوشش نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا بڑی نادانی کی بات ہے۔ قرآن میں یہود کو جنہیں کتاب الہٰی کا حامل بنایا گیا تھا مگر وہ صحیح معنی میں حامل نہیں بنے گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں"۔

مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا (سورہ جمعہ 5)

"ان لوگوں کی مثال جن کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہیں اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں"

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج قرآن کو سمجھنے اور اس کا علم حاصل کرنے کے سارے وسائل موجود ہوتے ہوئے مسلمانوں کی اکثریت بے سوچے سمجھے قرآن کی قرات کرنے پر مطمئن ہو گئی ہے۔ قرآن تو اس لئے نازل ہوا ہے کہ آدمی اپنی باگ دوڑ اس کے ہاتھ میں دے اور اس کی روشنی میں چل کر اپنی نجات اخروی کا سامان کرے مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اسے مردوں کو بخشوانے کا ذریعہ بنالیا ہے اور اس مقصد کے لئے قرآن خوانی کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں کیا ان کی اس حرکت پر حدیث کی یہ تنبیہ یفعلون مالا یومرون "وہ کام کرتے ہیں جن کا حکم انہیں نہیں دیا گیا ہے" صادق نہیں آتی؟

قرآن کے مطالعہ کے فائدے

قرآن کے مطالعہ کے فائدے محتاج بیان نہیں ہیں لیکن اس معاملہ میں جو غفلت برتی جارہی ہے اس کے پیش نظر کچھ باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن کتاب ہدایت ہے اور موجودہ زمانہ میں جب کہ مسلمانوں میں عقائد کی گمراہیاں بھی عام ہو گئی ہیں ہدایت کے اصل سرچشمہ کی طرف رجوع کرنے اور اس سے فیض حاصل کی ضرورت شدید سے شدید تر ہو گئی ہے۔ ایک طرف مادہ پرست نظریات نے خدا اور آخرت کے بارے میں سخت شبہات پیدا کر دیئے ہیں جن سے ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ بری طرح متاثر ہے اور دوسری طرف علمائے دین میں جہاں حق کی طرف رہنمائی کرنے والی قابل قدر شخصیتیں

موجود ہیں وہاں عقائد کے معاملہ میں گمراہی پھیلانے والے علماء کی بھی کمی نہیں ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر اولیاء کو غوث (فریاد رس) اور مشکل کشا (مشکلیں دور کرنے والا) قرار دینے والے علماء ہی تو ہیں۔ انہوں نے تاویل کرکے شرک کو بھی جو کبھی نہ بخشا جانے والا گناہ ہے جائز قرار دیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ اولیاء حاجت روا ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حاجت روائی کے اختیارات ان کو دے رکھے ہیں لیکن جو شخص بھی قرآن کا صاف ذہن سے مطالعہ کرے گا وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ جھوٹ اور افترا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ قرآن میں اولیاء کے تعلق سے ایسی بات کہیں بھی بیان نہیں ہوئی ہے بلکہ قرآن صراحت کرتا ہے کہ غیر اللہ کو حاجت روائی کے لئے پکارنا سراسر شرک ہے اور پہلی ہی سورہ (سورہ فاتحہ) میں دعا کی جو تعلیم دی گئی ہے وہ ہے ایاک نعبد وایاک نستعین ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں" اس دعا میں نہ واسطہ ہے اور نہ وسیلہ جس پر ان علماء نے معرکے گرم کر رکھے ہیں۔ اسی طرح غیر اللہ کے لئے نذر و نیاز، درگاہ، عرس، صندل، گیارھویں کی بدعتیں اور محرم کے کھچڑے وغیرہ کی جو شرعیت رائج کر دی گئی ہے وہ اس شریعت کے صریحاً خلاف ہے جس کی تعلیم قرآن میں نیز سنت رسول میں دی گئی ہے۔ غرضیکہ قرآن کا مطالعہ کرنے والا اگر وہ نیک نیتی سے مطالعہ کرتا ہے خواہ وہ ترجمہ کی مدد سے ہی کیوں نہ ہو توحید کو نکھرے ہوئے انداز میں پائے گا اور شرک سے اپنا دامن بچا سکے گا جو نجات اخروی کے لئے اولین شرط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کے مطالعہ سے انسان کو ٹھوس اور حقیقی علم حاصل ہوتا ہے جہالت دور ہوتی ہے اور علم کی روشنی اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے مقصد کو بھی سمجھنے لگتا ہے اور یہ بھی جاننے لگتا ہے کہ اس کہ ذمہ داریاں کیا ہیں۔ اس کو اللہ کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کا ڈر بھی پیدا ہوتا ہے۔ جو حقیقتیں ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں ان کا علم بھی حاصل ہوتا ہے اور آخرت کی جوابدہی کا احساس بھی ابھرتا ہے۔ اللہ کے احکام و قوانین سے واقفیت بھی حاصل ہوتی ہے اور ان کی پیروی کرنے اور ان کو جاری و نافذ کرنے کی تحریک بھی پیدا ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں صرف جاننا انسان کے کے لئے کافی نہیں ہوتا کیونکہ جانتے ہوئے بھی انسان خواہشات سے مغلوب ہو جاتا ہے اور گناہ کے کام کرنے لگتا ہے۔ اس کو گناہوں سے بچانے اور نیکی پر قائم رکھنے کے لئے بار بار یاددہانی اور نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن کا مطالعہ کرتے رہنے سے یاددہانی اور نصیحت کی باتیں بار بار سامنے آتی ہیں اور انسان کے لئے اپنی خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن امراض قلب کے لئے شفا ہے و شفاء لما فی الصدور "اور سینوں میں جو (بیماریاں) ہیں انکے لئے شفاء ہے" (سورہ یونس۔ 57) اس لئے دل میں پیدا ہونے والے وساوس' شبہات' کبر و غرور' ریاء گناہ کی طرف قلب کا میلان' حسد' بغض' کینہ وغیرہ امراض سے دل کو پاک کرنے اور اچھے اوصاف کو پیدا کرنے اور ان کو پروان چڑھانے کا ذریعہ قرآن ہی ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ انسان کی اصلاح اور اس کی صحیح تربیت میں فیض صحبت بھی ایک اہم اور موثر چیز ہے۔ قرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بار بار انبیاء علیہم السلام کے احوال سامنے لاتا ہے گویا قاری کو انبیاء کی مجلس میں لے جاتا ہے تاکہ وہ ان سے فیض صحبت حاصل کرے۔ مثالی کردار رکھنے والے ان پاکیزہ نفوس کی سیرت اور ان کی عظمت کے مختلف پہلو جب سامنے آتے ہیں تو قرآن کا مطالعہ کرنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ قرآن تو رفعت (سربلندی) بخشنے والی کتاب ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

ان اللہ یرفعہ بھذا الکتاب اقواما و یضع بہ اخرین (مسلم کتاب فضائل القرآن)

"اللہ اس کتاب کے ذریعے کتنی ہی قوموں کو اٹھائے گا اور کتنی ہی قوموں کو گرائے گا"

کیا یہ رفعت محض قرآن ناظرہ پڑھنے سے حاصل ہو گی یا یہ سربلندی حاصل کرنے کے لئے قرآن کا حامل اور علمبردار بننا ضروری ہے۔ اگر حامل اور علمبردار بننا ضروری ہے تو یہ بات اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ قرآن کو سمجھا جائے' اس کا علم حاصل کیا جائے اور عملاً" اس کی پیروی کی جائے۔

اگر مسلمان بیدار ہوں اور قرآن سے شعوری تعلق پیدا کریں تو اپنے کو بھی سنوار سکتے ہیں' دوسری قوموں کو بھی آب حیات دے سکتے ہیں' دنیا میں بھی سربلند ہو سکتے ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب اور سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

درس حدیث

(اعجاز احمد)

عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالی طیب لا یقبل الا طیبا وان اللہ تعالی امر المومنین بما امر بہ المرسلین فقال تعالی یایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا وقال تعالی یایھاالذین امنوا کلوا من طیبات مارزقنکم ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمدیدیہ الی السماء یا رب یارب ومطعمہ حرام ومشربہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذالک (مسلم)

"ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ نے فرمایا یقیناً" اللہ تعالیٰ پاک ہے صرف پاکیزہ (چیز) کو ہی قبول کرتا ہے اور یقیناً" اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہی حکم دیا جو رسول کو دیا ہے تو فرمایا۔ اے رسولو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو اور فرمایا اے ایمان والو۔ ان پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تمہیں رزق دیا پھر آپ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے الجھے بالوں والا غبار آلود چہرے والا وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب اور اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا پینا حرام ہے اور اس کا لباس حرام ہے اور اسے حرام سے پالا گیا تو اس وجہ سے اس کی دعا کا جواب کہاں سے آئے گا"۔

حدیث کے پہلے حصے میں پاکیزہ رزق کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت اور پاکیزہ رزق کے حاصل کرنے کی اہمیت کا ذکر ہے۔

ان اللہ طیب اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے اور تمام اوصاف حمیدہ سے موصوف ہے۔ اسی لئے وہ صرف ان چیزوں کو قبولیت سے نوازتا ہی جو اس کی راہ میں پاکیزہ مال سے خرچ کی جائیں۔ اسی طرح اس نے تمام نبیوں کو یہ حکم دیا کہ وہ پاکیزہ رزق کھائیں اور اس امت کے لوگوں کو بھی یہی حکم دیا۔

پاکیزہ رزق وہ ہے جس پر شریعت نے حلال ہونے کا حکم دیا ہو۔ اس لئے پاکیزہ رزق وہی ہے جو ایک طرف تو حلال ہو اور دوسری طرف حلال ذرائع سے کمایا گیا ہو اور جائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہو۔ اگر حلال چیزیں بھی حرام کی کمائی سے خریدی جائیں تو وہ پاکیزہ نہیں رہتیں اسی لئے ایسی چیزوں کا استعمال حرام ہے۔

حرام اور ناپاک رزق کھانے والے کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ وہ انسانی ہمدردی سے خالی ہو جاتا ہے۔ اسے دوسروں کے دکھوں اور تکلیفوں کا کوئی احساس نہیں رہتا۔ رفتہ رفتہ وہ خود غرضی اور سنگدلی کی ایسی راہوں پر چل پڑتا ہے کہ انسانیت کی اعلیٰ صفات سے وہ دور ہوتا چلا جاتا ہے اور بالاخر گناہ کا خیال ہی اس کے دل سے مٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رشوت لینے والے ستمگر' ذخیرہ اندزوی کرنے والے لوگ انسانی جذبات سے یکسر خالی ہوتے ہیں' انہیں صرف دولت اور روپے اکٹھے کرنے کی دھن ہوتی ہے' اس کے برعکس حلال اور پاکیزہ رزق کھانے والے کا دل نرم ہوتا ہے۔ اسے لوگوں سے محبت اور ہمدردی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے رزق حلال کو حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔

حدیث کے آخری حصے میں حضور اکرم ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر کیا ہے جو بڑا لمبا سفر کر کے حج کرنے کی غرض سے آتا ہے۔ جس کے بال بکھرے ہیں اور چہرہ گرد میں اٹا ہوا ہے پھر وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے۔ لیکن اس کا کھانا پینا اور لباس حرام کی کمائی سے تیار ہوا ہے۔ بلکہ جسے بچپن سے حرام کی غذا پر پروان چڑھایا گیا ہے تو ایسے آدمی کی دعا کیوں کر قبول ہو سکتی ہے۔

حدیث زیر مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حرام رزق کھانے والے کی دعا کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت نہیں بخشتا۔ بلکہ ایسے لوگوں کی نماز اور دیگر عبادتیں بھی مسترد کر دی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوگی جس کے کپڑوں میں ان کی قیمت کا دسواں حصہ حرام کا ہو۔

قبولیت دعا کے بارے میں دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری دعائیں قبول فرمائے۔ حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا لقمہ حلال کھاؤ دعا خود بخود قبول ہو گی۔ (بخاری)

اسی طرح رزق حلال کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

وہ گوشت جس نے حرام سے پرورش پائی ہو جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (بیہقی)

سب سے افضل کھانا وہ ہے جو کسی نے اپنے ہاتھ سے کمایا ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے۔(بخاری)

"رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے"

حرام رزق کمانے والے کی اپنی عاقبت تو خراب ہو گی ہی جیسے کہ مندرجہ بالا ارشادات نبویہ سے واضح ہے مزید برآں اس حرام کی کمائی کے اثرات اس کی اولاد تک وسیع ہوں گے اور ان کی آخرت برباد کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ قیامت کے دن آدمی کے ساتھ سب سے پہلے جھگڑنے والے اس کے کنبے کے لوگ ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے اے اللہ تو اس سے ہماری داد لے۔ ہم بے خبر تھے۔ اس نے ہمیں حرام روزی کھلائی۔ ہمیں جو کچھ سکھانا اس پر فرض تھا اس نے نہ سکھایا اور ہم جاہل رہ گئے۔

خواجہؒ کے خطوط

(خالد مسعود توحیدی)

۱۔ توحیدیہ فنانس سوسائٹی

(بنام محمد قاسم صاحب 1962 ، 1964)

(الف) "بہ حیثیت صدر سوسائٹی میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو دو تین باتوں سے ہمیشہ مطلع رکھیں۔ ایک تو ان لوگوں کے ناموں کی فہرست بھیجتے رہا کریں جنھوں نے حصے خریدے۔ دوسرے وہ رقم بھی لکھیں جتنے کے حصے خریدے ہیں۔ تیسرے اس رقم کا کیا ہوا۔ کتنی رقم بینک میں جمع کی، کتنے کے بانڈ خریدے وغیرہ وغیرہ۔ (19/1/62)

(ب) "آپ نے لکھا ہے کہ پشاور اور کراچی سے سوسائٹی کے بارے میں بالکل خاموشی ہے۔ میں نے تو آپ کو پہلے ہی لکھا تھا کہ میں اپنے حلقہ بلکہ دنیا کے مسلمانوں کو خوب جانتا ہوں۔ ان سے زیادہ سست، کاہل، بددیانت، بدعہد دنیا میں کوئی قوم نہیں۔ بہرحال میں نے پشاور چوہدری سرجنٹ نور محمد کو لکھا ہے کہ الگ کام نہ کریں۔ کراچی کے خادم حلقہ ملک صاحب 4 تاریخ مارچ کو پشاور آ رہے ہیں۔ لہٰذا آپ دعوت نامے ان کو نہ بھیجیں بلکہ عبدالمجید مومن صاحب کے پتہ پر بھیجیں۔ سوسائٹی کی بابت بھی انہیں سے استفسار کریں۔ میرے حوالہ سے لکھ دیں۔) (27/2/1962)

(ج) (سرکلر لیٹر) میں صرف اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ یا تو سوسائٹی بنانے کا فیصلہ کیا نہ ہوتا اور اب کر لیا ہے تو اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانا آپ کا فرض ہے۔ (20/6/1962)

(د) "خط ملا اور سوسائٹی کے اکاؤنٹ Statement بھی۔ بالکل درست ہیں اور مجھے پسند ہیں۔ اب جنھوں نے روپیہ نہیں دیا ہے میں خود ان کو لکھوں گا"

(نوٹ☆☆ بھائیوں کی عدم دلچسپی کی وجہ سے مطلوبہ سرمایہ اکٹھا نہ ہو سکا تو قبلہ حضرتؒ کے حکم سے سوسائٹی ختم کر دی گئی۔ پھر دوبارہ اس کا کبھی خیال نہیں آیا)

2۔ جو حلقہ سے الگ ہو گیا

(بنام محمد قاسم صاحب 7/7/1963)

(الف) "صاحب کی بابت معلوم ہوا ہے کہ حلقے سے الگ ہو گئے ہیں اور باوجود اس کے آتے ہیں اور سب سے ملتے ہیں اور حلقہ ذکر میں بھی شریک ہوتے ہیں اور میرے خلاف لوگوں کو ورغلاتے بھی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ان سے بحث مباحثہ بالکل نہ کیا جائے اور نہایت نرمی سے کہہ دیا جائے کہ اگر انصاری صاحب سے عقیدت نہیں تو شریفوں کی طرح بالکل الگ ہو جائیں اور اگر عقیدت ہے تو ان پر تنقید نہ کریں۔ یہ منافقت اچھی نہیں۔ اور ان کو مطلق Importance نہ دیں اور مجھے اطلاع دیتے رہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اگر وہ بالاعلان الگ ہو جائیں تو اہل حلقہ سے کہہ دیں کہ ان سے ملنا جلنا ترک کر دیں۔ مگر کوئی بدتمیزی نہ کریں"

(ب) "☆ اب کراچی گیا ہے یقیناً" وہ آپ سے ملے گا۔ مگر آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اس نے میرے خلاف سخت پروپیگنڈہ کیا ہے اور مجھ سے سخت لڑائی کی ہے۔ اپنے بہت سے دوستوں کو لکھا ہے اور زبانی بھی کہا ہے کہ اب میں حلقہ سے الگ ہو گیا ہوں۔ لاہور کے حلقہ والے بھی اب اس کو منہ نہیں لگاتے۔ اس لئے میں آپ کو بھی لکھ رہا ہوں کہ اس کا مکمل بائیکاٹ کریں اور اس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں۔ نہ اپنے پاس ٹھہرائیں نہ کوئی مدد کریں۔ اگر وہ پوچھے تو بتا دیں کہ ہمیں انصاری صاحب نے لکھا ہے کہ حلقہ سے الگ ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب ہمارا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہم آپ سے نہیں مل سکتے۔ یہ میرا حکم ہے جس پر عمل کرنا آپ کا فرض ہے۔ اس کا مطلق لحاظ نہ کیا جائے۔ یہ میری اور حلقہ کی عزت کا معاملہ ہے۔ یہی بات میں نے ملک بخشیش الٰہی کو بھی لکھ دی ہے"

(ج) "اچھا ہوا ---- صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی اور وہ لاہور تشریف لے گئے۔ نہایت فسادی آدمی ہیں۔ ایک طرف سے تو سب کو لکھا اور کہا ہے کہ "میں نے حلقہ چھوڑ دیا ہے" دوسری طرف سب سے ملتے بھی پھرتے ہیں" (26/9/1963)

(عبدالحکیم انصاریؒ)

2۔ دوسرے سوال کا جواب

اس سوال سے متعلق قرآن میں تین قسم کی آیات ہیں' ایک وہ جن میں عبادت کا حکم ہے' دوسری وہ جن میں عبادت گزار بندوں سے بخشش کا وعدہ کیا گیا ہے' تیسری وہ جن کا مطلب یہ ہے کہ ہم جس کو چاہیں گے بخشیں گے۔ چنانچہ آل عمران آیت ۱۲۹ میں صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ "اللہ جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب کرے" اب سست' کاہل اور عبادات کی معمولی تکالیف سے جی چرانے والوں نے پہلی دو قسم کی آیات کو تو نظرانداز کر دیا' تیسری قسم کی آیات کی آڑ لے کر لگے عبادت سے بچنے کے بہانے تلاش کرنے۔ مومن تو ایسا خیال بھی نہیں کر سکتے' لیکن یہ وسوسہ اگر کسی مسلمان کے دل میں آئے تو اسے اتنا تو سوچنا چاہئے کہ میں اگر "واقعی عبادت" کروں گا تو اللہ تعالیٰ ہرگز ایسا بے انصاف نہیں کہ اپنا وعدہ پورا نہ فرمائے۔ ہاں اگر معترض کوئی غیر مسلم ہے تو اس کو ہم بتاتے ہیں سنو! اللہ تعالیٰ چونکہ انسان کا خالق ہے وہ اس کی فطرت اور طبیعت سے اتنا واقف ہے کہ خود انسان بھی واقف نہیں' وہ جانتا ہے کہ بہت سے لوگ رسمی عبادت کرتے ہیں جس میں خلوص کا شائبہ بھی نہیں ہوتا' بہت سے ریاکار ہوتے ہیں اور اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ متقی' پرہیزگار اور عبادت گزار مشہور ہو کر اہل دنیا سے طرح طرح کے فائدے اٹھائیں۔ تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا گو وہ قیامت کے دن اپنی عبادت کو بطور حجت پیش بھی کریں۔ اس کے علاوہ ایک نفسیاتی نکتہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ سچ مچ خلوص سے عبادت کرنے والے ہیں وہ اس آیت کی موجودگی میں اپنی عبادت پر مغرور اور اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔ خوب سمجھ لو کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو بہت سے لوگوں کے دلوں میں ایک مدت دراز تک عبادت کرنے کے بعد یہ خیال ضرور بیٹھ جاتا کہ ہم نے کافی عبادت کر لی ہے' اب تو اللہ تعالیٰ بھی ہم کو دوزخ میں ڈالنے پر قادر نہیں۔ اس خیال کے جڑ پکڑتے ہی اللہ تعالیٰ کا خوف رفتہ رفتہ ان کے دلوں سے نادانستہ طور پر نکل جاتا اور ان کی تمام سعادت اور لطائف روحانی آہستہ آہستہ مسخ ہو جاتی۔ ہماری اس تحریر کا یہ مطلب نہ لے لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات "مصلحتاً" کہہ دی ہے ورنہ وہ عابدوں کو دوزخ میں ڈالنے پر قادر نہیں ہے' نعوذ باللہ۔ ہم نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ "حقیقتاً" اس بات

قادر ہے کہ چاہے تو گناہگاروں کو بخش دے اور عبادت گذاروں کو دوزخ میں ڈال دے اور اس حقیقت کو ظاہر کرکے اس نے اپنے عبادت گذار بندوں پر احسان عظیم کیا ہے کہ ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گمراہی سے محفوظ کردیا۔

مندرجہ بالا بیان کی مزید وضاحت کے لئے ہم آپ کی توجہ دو غیر مسلم عقائد کی طرف منعطف کراتے ہیں۔ عیسائیت میں کفارہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہو کر اپنی امت کا کفارہ ادا کرگئے، اب چاہے کوئی کتنے ہی گناہ کرے مرنے کے بعد وہ دوزخ میں نہیں جاسکتا۔ اس عقیدے کا نفسیاتی اثر اس کے ماننے والے پر کیا پڑ سکتا ہے، وہ گناہوں اور بداعمالیوں پر جسارت کرے گا یا ان سے بچے گا، اس کا فیصلہ آپ خود کرلیں۔ اسی طرح ہندوؤں میں کرم یعنی اعمال کا عقیدہ ہے یعنی انسان کو اس کے ہر اچھے فعل کی جزا اور برے فعل کی سزا خود بخود ملے گی۔ خدا اس بات پر مطلق قادر نہیں کہ نیکوں کو سزا دے اور گناہ گاروں کو معاف کردے۔ اس عقیدے کا نتیجہ بھی یہی ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہو جاتا ہے، ایسا انسان خدا پرست نہیں رہ سکتا۔ خدا سے تعلق تو اسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک کہ اس سے خوف اور توقع دونوں ہی موجود رہیں، لیکن متذکرہ صدر دونوں عقیدے نفسیاتی طور پر اللہ تعالیٰ سے مکمل قطع تعلق کا موجب ہوتے ہیں۔ کیا اب بھی آپ اسلامی تعلیم کی خوبی پر شبہ کریں گے؟ یاد رکھیئے آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ غریب کیوں رہے؟ آپ نے علم کیوں حاصل نہیں کیا؟ آپ سے تو صرف یہ پوچھا جائے گا کہ جب آپ نے بخوشی اسلام قبول کرلیا تھا اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے تو قرآن کے احکام پر عمل کیوں نہیں کیا؟ جن باتوں سے ہم نے منع کیا تھا وہ کیوں کیں اور جن کے کرنے کا ہم نے حکم دیا تھا وہ کیوں نہیں کیں۔

3۔ تیسرے سوال کا جواب

ایسے اعتراضات دل میں اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ ایک بادشاہ کی مثال دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب ایک آدمی قصوروار نہیں تو بادشاہ کو کیا حق ہے کہ اسے سزا دے؟ معترض یہ کبھی نہیں سوچتا کہ بادشاہ تو خود مخلوق، مجبور اور فانی ہے، وہ خلقت میں دوسرے انسانوں کے برابر ہے، اسے واقعی حق نہیں کہ کسی بے قصور کو سزا دے، لیکن اللہ تعالیٰ تو خالق، قادر اور باقی ہے۔ جب کچھ بھی نہیں تھا تو خدا نے اس کائنات کو پیدا کیا، یہ وہی جانتا ہے کہ کیوں؟ لیکن بہرحال اپنی مرضی اور

خواہش سے پیدا کیا اور جس طریقے اور ترکیب سے چاہا اور جس نہج پر چاہا اسی پر پیدا کیا کسی سے مشورہ نہیں لیا' اسی لئے وہ کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہے۔ جہاں تک تجربہ اور مشاہدہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جوڑے جوڑے اور ایک دوسرے کی ضد پیدا کیا ہے۔ نر مادہ' گرمی سردی' سختی نرمی' خشکی تری' سفید سیاہ' خوشبو بدبو' تکلیف راحت' رنج و خوشی' صحت و بیماری' طاقت و کمزوری' نیکی بدی' برائی بھلائی' امیری غریبی' الغرض جس پہلو سے غور کرو اور جس شے کو دیکھو اس کی ضد موجود ہے اور اصل تو یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی ضد کے بغیر مشخص و معلوم ہو ہی نہیں سکتی۔ جو مچھلی سمندر میں پیدا ہوئی ہو اس کو پانی کی سختی اور دیگر کیفیات سے کبھی واسطہ نہ پڑا ہو اس کو پانی کی معرفت بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر اس کو خشکی پر ڈال دیا جائے تب وہ محسوس کرے گی کہ یہ کیفیات کچھ اور ہیں اور اس طرح اس کو پانی کا عرفان ہو جائے گا۔ پس اگر غریبی نہ ہوتی تو امیری کا وجود نہ ہوتا' بدی نہ ہوتی تو نیکی بھی نہ ہوتی' تکلیف و عذاب نہ ہوتا تو راحت و بخشش بھی نہ ہوتی' کفر نہ ہوتا تو اسلام نہ ہوتا' دوزخ نہ ہوتی تو جنت بھی نہ ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ایسی ہوتی جس کی ضد نہ ہوتی تو اس چیز کا وجود مشخص نہ ہوتا' اس لئے جس نہج پر اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا ہے اس پر اعتراض کرنے کا حق صرف اسی کو ہے جو اس سے بہتر پیدا کر کے دکھا دے۔

ایک کمہار چاک پر کھلونے بنا رہا تھا۔ مٹی کی لگدی چاک پر رکھ کر اس نے ایک آدمی بنایا' جب وہ مکمل ہونے کے قریب آیا تو کمہار کے دل میں آیا کہ اسے بادشاہ بنائے تو اس نے اس کے سر پر تاج بنا دیا اور اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ اب دوسری لگدی چاک پر چڑھائی اور ایک آدمی اور بنایا' جب وہ مکمل ہونے کے قریب آیا تو کمہار نے اس کے ہاتھ میں کشکول بنا کر اس کو فقیر بنا دیا اور اتار کر بادشاہ کے برابر رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد اس کا ایک دوست آیا اس نے بادشاہ اور فقیر کے کھلونے دیکھ کر کہا کیوں بھئی اس مٹی میں کیا خوبی تھی کہ تو نے اس کو بادشاہ بنایا اور اس مٹی کا کیا قصور تھا کہ اسے فقیر بنا دیا۔ کمہار نے کہا اچھا آپ کو اعتراض ہے تو لایئے میں بدل دیتا ہوں' چنانچہ دونوں کھلونوں کو توڑ کر جو بادشاہ تھا اس کو فقیر اور جو پہلے فقیر تھا اس کو بادشاہ بنا دیا اور پھر دونوں کو زمین پر رکھ دیا۔ اتنے میں ایک دوست اور آیا اس نے بھی دونوں کھلونوں کو دیکھ کر وہی اعتراض کیا جو پہلے دوست نے کیا تھا' کمہار نے دونوں کھلونے توڑ کر پھر بدل دیئے یعنی بادشاہ کو فقیر اور فقیر کو بادشاہ بنا دیا اور کھلونے پھر ایک طرف رکھ دیئے۔ ایک اور دوست آیا اور اس نے بھی وہی اعتراض کیا اور

کمہار نے پھر بدل دیئے اور دن بھر یوں ہی کرتا رہا۔ آخر بہت دیر بعد اس کی سمجھ میں آیا کہ اگر میں یونہی ہر ایک کی مرضی کے مطابق کرتا رہوں تو کچھ بھی کام نہ ہو سکے گا' چنانچہ آئندہ اس نے عہد کیا کہ کسی کا بھی کہنا نہ مانے گا اور جو چاہے گا بنائے گا۔ یہ مثال بالکل ہی نامکمل ہے کیوں کہ یہاں تو مٹی بھی کمہار کی بنائی ہوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو مٹی بھی خود ہی بنائی ہے پھر کمہار جان نہیں ڈال سکتا مگر اللہ تعالیٰ نے تو جان' روح' نفس اور عقل و حواس بھی خود ہی پیدا کر کے انسانوں کو دیئے ہیں' پھر جب کمہار کو خدا کی بنائی ہوئی مٹی پر اتنا اختیار ہے کہ جس مٹی سے چاہے بادشاہ بنائے اور جس سے چاہے فقیر' تو کیا خدا کو اتنا بھی اختیار نہیں۔ دیکھئے سورہ مومنون آیت نمبر ۷۱' جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی خواہش کے مطابق کام کرے تو زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب درہم برہم ہو جائے۔

اب رہے وہ جن اور آدمی جن کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو بنایا ہی دوزخ کے لئے ہے تو ان کو دوزخ میں کوئی تکلیف نہ ہو گی وہ وہاں اسی طرح زندہ اور خوش رہیں گے جیسے آگ کا کیڑا "سمندر" آگ میں رہتا ہے۔ ان کو اس لئے بنایا گیا ہے کہ جب مسلمان عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں چلے جائیں گے تو دوزخ خالی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان کو بھی تکلیف ہو تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ہے۔ قرآن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ دوزخ میں ہر ایک کو تکلیف نہ ہو گی۔ سورہ مریم آیت ۷۱ میں ہے کہ "تم میں سے ہر ایک کو دوزخ میں جانا ہے یہ تمہارے رب کا اٹل فیصلہ ہے"۔ اب بتایئے وہاں سے تو انبیاء اور اولیاء سب ہی گزریں گے تو کیا ان کو بھی تکلیف ہو گی؟ ہرگز نہیں۔

اب حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ انسان کو بالکل مجبور کہتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں اور جو بالکل مختار مانتے ہیں وہ بھی صحیح نہیں کہتے۔ تجربہ اور مشاہدہ تو یہ کہتا ہے کہ انسان جہاں بہت زیادہ مجبور ہے وہاں کسی قدر مختار بھی ہے اور اسی قدرے قلیل اختیار پر اس سے قیامت کے دن بازپرس کی جائے گی۔ ورنہ اگر وہ سو فیصدی مجبور ہوتا تو قیامت کے دن اس سے بازپرس کا کوئی جواز نہ تھا۔ بچہ جس خاندان میں پیدا ہوتا اور جس ماحول میں پرورش پاتا ہے اس کا ایک خاص اخلاقی' معاشرتی اور معاشی معیار ہوتا ہے' اسی معیار کے مطابق اس بچے کا کردار بنتا ہے' اس میں وہ مجبور محض ہے' اس ماحول اور معیار خاندانی کی وجہ سے وہ جیسی کچھ تعلیم حاصل کرتا ہے' جیسے کچھ اخلاق اور ذہنیت اس میں پیدا ہوتی ہے اور جو کچھ ذریعہ معاش وہ اختیار کرتا ہے ان سب میں یقیناً وہ محض مجبور ہے

۔ لیکن عقل و تجربہ حاصل کر لینے کے بعد جب دو چیزیں اس کے سامنے آئیں جن میں سے ایک اچھی ہو اور دوسری بری 'ایک مفید ہو دوسری مضر اور اس کو ان کی بھلائی برائی اور افادیت و مضرت کا علم بھی ہو اور وہ ان دونوں میں سے ایک کو فی الوقت قبول کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو تو وہ مختار کامل ہے کہ دونوں میں سے جسے چاہے اختیار و قبول کرے ۔ اب اگر وہ مضر اور بری چیز کو اختیار کر لے تو یقیناً" یہ اسی کا قصور ہے 'تقدیر کا قصور نہیں ہے ۔ جس قدر بھی گناہ ہیں انسان کو ان کی مضرتوں کا علم ہے 'اگر وہ ایسے گناہ کر کے اپنی صحت یا روحانیت کو خراب کر لے 'مفلس ہو جائے 'جیل چلا جائے یا پھانسی پائے تو اس میں تقدیر کا کیا قصور ہے ؟

یورپ کے اکثر مصنّفین نے مسلمانوں کے زوال کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ وہ تقدیر کو مانتے ہیں 'لیکن انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ جن مسلمانوں نے قرون اولیٰ میں ترقی کی تھی وہ ہم سے کہیں زیادہ تقدیر کو مانتے تھے ۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ وہ تقدیر کو عمل کے ساتھ مانتے تھے 'ہم بے عملی کے ساتھ مانتے ہیں ۔ وہ مٹھی بھر آدمی لے کر بڑے بڑے دشمنوں سے ٹکرا جاتے تھے 'سخت سے سخت تکالیف کو ہنستے ہوئے برداشت کرتے تھے 'خوفناک مصائب کو مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہتے تھے 'کیوں؟ محض اس لئے کہ وہ تقدیر کو مانتے تھے ۔ ان کو قرآن کی اس آیت پر یقین محکم تھا کہ کوئی مصیبت نہیں آتی جو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کتاب (تقدیر) میں نہ لکھ دی ہو (سورہ الحدید آیت ۲۳) مگر ان کو اللہ تعالیٰ کے اس قول پر بھی پورا ایمان تھا کہ " ہر آدمی کی موت کا ایک وقت مقرر ہے ۔ جب وہ وقت آتا ہے تو ایک ساعت ادھر ہو سکتی ہے نہ ادھر" وہ جانتے تھے کہ جو مصیبت آنی ہے وہ آ کر رہے گی 'مگر موت کا جو وقت مقرر ہے 'اس سے پہلے کوئی مصیبت ہماری زندگی کو ختم نہ کر سکے گی 'اس لئے وہ کہتے تھے کہ ہم عمل کیوں نہ کرتے رہیں جب کہ قرآن میں اس قدر تاکید سے عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مرتے دم تک عمل کرتے اور آگے بڑھتے رہتے تھے ۔ برخلاف ان کے ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ تقدیر میں ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا پھر ہم عمل کیوں کریں ؟ ہم یہ نہیں سوچتے کہ عمل نہ کر کے ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں اور دن رات تباہ ہوتے چلے جاتے ہیں ۔ یاد رکھو ! تقدیر کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ لکھ کر (نعوذ باللہ) اپنے ہاتھ کاٹ لئے ہیں اور اس لکھے کو اب مٹا یا بدل نہیں سکتا ۔ اللہ تعالیٰ یقیناً" اس بات پر ہر وقت قادر ہے کہ نظام عالم کو ایک ڈھرے پر باقاعدہ چلانے کے لئے جو کچھ لکھ دیا ہے اس میں جب چاہے اور جو چاہے تبدیلی بھی کر دے ۔ سورہ رعد آیت ۳۸ میں ۔

کہ "اللہ جو چاہتا ہے (لوح محفوظ میں سے) مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب تو اسی کے پاس ہے"۔

پانچویں بات

یہ ہے کہ ہمارے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عذاب ثواب مرتے ہی شروع ہو جاتا ہے' حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ عذاب ثواب قیامت میں حساب کتاب ہونے کے بعد شروع ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں دونوں طرح کی آیتیں ہیں' ایسی جن سے عذاب ثواب کا ہونا بعد از قیامت ظاہر ہوتا ہے اور ایسی بھی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب ثواب مرتے ہی شروع ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے علمائے دین میں بھی دو گروہ ہیں' لیکن بھاری اکثریت ہمیشہ انہی علماء کی رہی ہے جو مرتے ہی عالم برزخ میں عذاب و ثواب کے شروع ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ بظاہر ان دونوں قسم کی آیتوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں تضاد بیانی ہے' لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن میں مطلق تضاد بیانی نہیں بلکہ جو کچھ کہا گیا ہے لفظ بہ لفظ درست ہے اور کسی کھینچ تان کی مطلق ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح انسانوں کی بے شمار قوموں میں سے ہر ایک قوم دوسری سے کسی نہ کسی طرح مختلف ہے اسی طرح مرنے کے بعد ان کی روحوں میں بھی فرق ہو گا۔ ارواح کے بعض گروہوں میں یہ فرق معمولی ہو گا لیکن بعض میں اتنا زیادہ جتنا کہ زمین و آسمان میں ہے۔ یہ گروہ اپنے احساسات اور علم میں اس قدر مختلف ہوں گے کہ قیامت کے دن بعض کو تو یہ بھی محسوس و معلوم نہ ہو گا کہ مرنے کے بعض اب تک کتنا وقت گزرا اور کیسے گزرا' بعض کو ان سے کچھ زیادہ احساس و علم ہو گا اور بعض کو بہت زیادہ۔ یوں کہنا چاہئے کہ بعض پر تو بے خبری یا خواب کی سی کیفیت طاری ہو گی' بعض کسی قدر ہوشیار ہوں گے اور بعض بیدار۔ چنانچہ قرآن سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے' سورہ الاعراف آیت ۳۰ میں دو گروہوں کا ذکر ہے جن میں سے ایک دوسرے کی شکایت کرے گا کہ یا رب ان لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا اس لئے ان کو دوگنا عذاب دے تو اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ "تم میں سے ہر ایک کو دگنا ہی عذاب ہو رہا ہے مگر تم جانتے نہیں "

اب اگر آپ غور کریں تو یہ کیفیت اس دنیا میں بھی پائی جاتی ہے۔ کثیر تعداد انسان ایسی بے خبری اور بے حسی میں زندگی گزارتے ہیں کہ اگر سو برس بھی زندہ رہیں تو انھیں دنیا بلکہ خود اپنی حالت کا کوئی خاص علم اور احساس نہیں ہوتا کہ زندگی آرام میں گزری یا تکلیف میں۔ اسی طرح

سینکڑوں قومیں ایسی ہیں جنھیں اپنی جہالت، مفلسی اور پسماندگی کا ذرا احساس نہیں۔ غریبوں اور گدا گروں کی بستیوں میں جا کر دیکھو، پہننے کو پھٹے کپڑے اور چیتھڑے، رہنے کو ٹوٹی ہوئی جھونپڑیاں، کھانے کو سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے مگر پھر بھی اپنی حالت میں مگن ہیں۔ ہنستے بھی ہیں، قہقہے بھی لگاتے ہیں، گاتے بجاتے بھی ہیں اور زندگی کا پورا لطف اٹھاتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ انہیں اپنی فلاکت اور مفلسی کا علم اور احساس نہیں ہے، اگر ان کو اپنی حالت کا صحیح احساس ہو جائے تو خود کشی کر کے مرجائیں یا امراء کو قتل کر کے ان کی دولت و محلات پر قبضہ کر لیں۔ اصل یہ ہے کہ تکلیف و راحت بذات خود کوئی چیز نہیں، صرف اس علم و احساس کا نام ہے جو مختلف حالات و کوائف کے تقابل سے حاصل ہوتا ہے۔ مشکوۃ میں ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو اس کو حکم دیا کھڑی ہو، وہ کھڑی ہو گئی پھر کہا پیچھے ہٹ، وہ پیچھے ہٹ گئی پھر فرمایا بیٹھ، وہ بیٹھ گئی۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تجھ سے بہتر، افضل اور عمدہ کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ تیرے ہی سبب سے موخذاہ کرتا ہوں، تیرے ہی سبب سے پہچانا جاتا ہوں۔ تیرے ہی سبب سے غصہ کرتا ہوں۔ تیری ہی وجہ سے ثواب ہے اور تجھ پر ہی عذاب ہے" اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر آدمی کو مرنے کے بعد جو عذاب ثواب ہو گا وہ اس کی عقل و سمجھ کے مطابق ہو گا یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیئے کہ ہر شخص عذاب ثواب کو اپنی سمجھ کے مطابق محسوس کرے گا، اگر آپکو اس بارے میں کچھ شک ہے تو رسول اللہ ﷺ کی دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیں جو زیادہ واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "آدمی نمازی بھی ہوتا ہے روزہ دار بھی، زکوۃ بھی دیتا ہے حج و عمرہ بھی کرتا ہے، لیکن قیامت کے روز عقل کے مطابق اس کو جزا سزا دی جائے گی"

متذکرہ صدر آیت کو ان حدیثوں کے ساتھ ملا کر سوچنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جانی چاہئے کہ ہر شخص کو جس طرح دنیا میں تکلیف و راحت کا احساس اپنے علم و عقل کے مطابق کم یا زیادہ ہوتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی ہو گا۔ مختصر یہ کہ بہت سی روحیں اس قدر بے حس اور بے خبر ہوں گی کہ جب میدان قیامت میں لائی جائیں گی تو کہیں گی "ہم تو ابھی سوئے تھے" یا یہ کہ "ہم تو دنیا میں صرف ایک ہی دن رہے تھے" وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ایسی روحیں بھی ہوں گی جن کو اس کی زندگی اور موت سے قیامت تک کی زندگی کا علم و احساس بہت زیادہ ہو گا۔ انہی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں علم والا کہا ہے کہ "علم والے جانتے ہیں کہ تم کتنے دن رہے" سرکار دو عالم ﷺ

ایک حدیث اور بھی ہے۔ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت میں حساب کتاب کے لحاظ سے تین گروہ ہوں گے۔ ایک وہ جس کا حساب کتاب بالکل نہ ہو گا' دوسرا وہ جن کا آسان ہو گا اور تیسرا وہ جس کا بہت مشکل ہو گا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نیک اعمال کی وجہ سے اپنے مقام محمود یا مقام معاد تک پہنچ چکے ہوں گے' ان کے حساب کتاب کی ضرورت نہ ہو گی۔ جو لوگ قریب ہوں گے ان کا حساب کتاب آسان ہو گا' لیکن جو لوگ دور ہوں گے ان کا حساب کتاب واقعی سخت اور مشکل ہو گا' یعنی جتنا عذاب اعمال کی رو سے ہونا چاہئے وہ دے کر ان کو ان کے مقام محمود تک پہنچایا جائے گا۔

اب معلوم ہونا چاہئے کہ قیامت کیا ہے؟ جیسا کہ لفظ قیامت سے ظاہر ہوتا ہے اس کے معنی "قیام" یا "ٹھہر جانے" کے ہیں' یعنی اس وقت کائنات کا ذرہ ذرہ متحرک ہے (جیسا کہ اب سائنسی انکشافات سے ثابت ہو گیا ہے) لیکن قیامت کے دن یہ حرکت بند ہو جائے گی اور ہر شے اپنے خالق کے سامنے مودب اور ساکت و صامت کھڑی ہو جائے گی جیسا کہ نماز میں قیام کے وقت ہوتا ہے۔ حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے چیزوں کی جو شکل و صورت اب نظر آتی ہے' معدوم ہو جائے گی اور جتنے پردے پڑے ہوئے ہیں اٹھ جائیں گے اور ہر شخص کو اپنے علم و عقل کے مطابق معلوم ہو جائے گا کہ میرا مقام اور مرتبہ قرب اور عرفان باری تعالٰی کے لحاظ سے کیا ہے۔ سورہ ہود رکوع ۹ میں ہے کہ "دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں رہیں گے جب تک یہ زمین و آسمان قائم ہیں"۔ پھر سورہ ابراھیم کی آیت ۴۹ میں ہے "اس دن کہ بدلی جاوے یہ زمیں اور زمین سے اور یہ آسمان اور آسمان سے" ان آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوزخی قیامت کے دن تک دوزخ میں اور جنتی جنت میں رہیں گے اور قیامت کے دن جب یہ زمین و آسمان بدل دیئے جائیں گے تو ان کو ان نئے بدلے ہوئے دوزخوں اور جنتوں میں جگہ دی جائے گی۔ قرآن کریم میں یہ بھی ہے کہ قیامت میں لوگ اسی جسم کے ساتھ اٹھائے جائیں گے (سورہ قیامت آیت ۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سب لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق نئی جنتیں اور دوزخ عطا ہوں گے اور پھر وہ انہی اجسام کے ساتھ ہمیشہ ان میں رہیں گے' بہر حال قیامت کا صحیح علم اللہ اور اللہ تعالٰی کے رسول ﷺ ہی کو ہے' مگر سورہ ہود اور سورہ ابراھیم کی مندرجہ بالا آیات سے اتنا یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ عذاب و ثواب مرتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اتنا بیان کرنے کے بعد اب ہم بتاتے ہیں کہ سلوک سے کیا کچھ حاصل ہوتا ہے۔

اعجاز قرآن

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

(پہلا حصہ)   گذشتہ انبیاء کے معجزات

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ کے سبب انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ہر قوم کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے اور نبوت کے ثبوت کے لئے انہیں معجزات عطا فرمائے۔ تاکہ لوگ ان سے حیران کن واقعات اور خرق عادت کارنامے دیکھ کر یہ یقین کرلیں کہ وہ واقعی اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور اس طرح وہ اللہ کی طرف سے آنے والے دین کو قبول کر کے فلاح دارین حاصل کر سکیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کی طرف بھیجا گیا تو انہیں اپنے عصاء کو سانپ میں تبدیل کرنے اور ید بیضاء کا معجزہ عطا کیا گیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے، کوڑھیوں اور اندھوں کو شفایاب کرنے اور مٹی سے بنی ہوئی صورتوں کو پھونک مار کر حقیقی پرندوں میں تبدیل کردینے کے معجزات دیئے گئے۔ علاوہ ازیں کئی ایک معجزات اس لئے بھی وقوع پذیر ہوئے کہ گذشتہ قوموں نے ان کے لئے اپنے انبیاء سے تقاضا کیا تھا۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ گذشتہ تمام انبیاء علیہ السلام کی نبوتیں خاص خاص قوموں کے لئے اور محدود مدت کے لئے ہوتی تھیں۔ اس لئے ان کے معجزات کی نوعیت بھی عارضی اور وقتی تھی۔ ان کے معجزات کو صرف انہی لوگوں نے دیکھا جو اس خاص وقت پر اسی مقررہ جگہ پر موجود تھے۔ اس لئے ان کے معجزات کی برکت اور افادیت صرف گنتی کے لوگوں کے لئے اور محدود وقت کے لئے تھی۔ جو لوگ معجزہ کے وقوع کے وقت وہاں حاضر نہ تھے یا ان کے بعد میں آنی والی نسلوں کے لئے یہ معجزات ایک سنی سنائی سچی بات کی حیثیت تو ضرور رکھتے ہیں جو عینی مشاہدہ کی متبادل ہرگز نہیں ہو سکتی۔

آخری رسول ﷺ کا خصوصی معجزہ

اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر رسالت اور نبوت ختم فرما دی۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول انسانوں کی راہنمائی کے لئے نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ قیامت تک کے لئے تمام دنیا کے انسانوں کے لئے رسول اور رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ اس لئے یہ لازمی تھا کہ دلیل نبوت کے طور پر آپ کو کوئی ایسا معجزہ عطا کیا جاتا جو قیامت تک قائم و دائم رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے بے شمار معجزات کے علاوہ اپنے حبیب ﷺ کو ایک ایسا خصوصی معجزہ عطا فرمایا

جس کی حیثیت عارضی اور وقتی نہیں بلکہ ابدی اور دائمی ہے۔ اس عظیم معجزہ کا مشاہدہ جس طرح نبی کریم ﷺ کے زمانہ طیبہ کے لوگوں نے کیا اسی طرح ان کے بعد میں آنے والوں نے کیا' موجودہ دور کے افراد بھی کر رہے ہیں اور قیامت تک آنے والی تمام نسلیں بھی کر سکیں گی۔ یہ خاص الخاص معجزہ اور تمام معجزات کا سردار قرآن مجید فرقان حمید ہے جس کی صحت اور حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ چنانچہ سورہ الحجر آیت نمبر9 میں ارشاد ہوا ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون "بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور یقیناً" ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔ اس لئے حضور کا یہ مستقل کمال صحت کے ساتھ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے۔ اس لئے اس کے اثرات بھی دائمی ہیں اور اس کے اعجازات قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہر نسل کو نئے نئے انداز سے اپنی طرف متوجہ کرتے اور ایمان و ایقان کی طرف دعوت دیتے رہیں گے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے چونکہ بجائے خود معجزہ نہیں تھے اسی لئے وہ تحریف سے پاک نہ رہ سکے۔ ان کے برعکس قرآن کریم چونکہ ساری انسانیت کی ہدایت کے لئے جامع و کامل صحیفہ' تکمیل دین اور اتمام نعمت کی الٰہی سند اور اللہ کے آخری رسول کا دائمی معجزہ بن کر آیا۔ اس لئے لازمی تھا کہ قیامت تک کے لئے اس کی کامل حفاظت کا انتظام بھی کیا جائے۔

قرآن کا اعجاز

کلام الٰہی کے اعجاز کی وجوہات اس قدر ہیں کہ ہم اپنی کم علمی کی وجہ سے ان کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے۔ پھر بھی علماء قرآن نے اپنے اپنے تجربہ' علم اور ذوق کے مطابق اس کے الفاظ و معانی' حسن کلام' فصاحت' بلاغت' کمال صحت' عدم اختلاف' اخبار مبداء و معاد' اظہار غیب' پیشینگوئیاں' خارق عادت تاثیر اور قلوب انسانی کی تسخیر کو اہم وجوہات گردانا ہے۔ ان کے علاوہ یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے کہ اسے بار بار پڑھنے اور سالہا سال تک پڑھتے رہنے سے بھی طبیعت میں ذرہ بھر اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی بلکہ تلاوت کی حلاوت اور قرآن کی محبت میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ بات کسی بھی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بے مثل فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ اتنی روانی اور آسانی بھی پیدا فرما رکھی ہے کہ ذوق رکھنے والے ہر بچے بوڑھے' مرد عورت' عربی عجمی کو سہولت کے ساتھ حفظ ہو جاتا ہے یہ معجزہ بھی قرآن کے ساتھ مخصوص ہے کہ اتنی ضخیم کتاب کے لاکھوں حفاظ دنیا میں موجود رہے ہیں' موجود ہیں اور موجود رہیں گے قرآن کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ جہاں اس نے اپنے سے پہلی تمام آسمانی کتابوں کی جگہ لے لی

وہاں ان کتابوں کی اصل زبانیں بھی دنیا سے نست و نابود ہو گئیں اور قرآن کی حامل عربی زبان اسلا
کی وسعت کے ساتھ پھیلتی چلی گئی اور اسلام میں داخل ہونے والی بیشتر اقوام نے اپنی قدیم زبانوں
ترک کر کے عربی کو ہی اپنا لیا اور آج اس زبان کی بین الاقوامی اہمیت اور مقام ایک تسلیم شد
حقیقت ہے۔ ان حقائق کے علاوہ قرآن میں تخلیق کائنات اور ابتداء حیات کے اسرار و رموز
حامل کئی ایک آیات ہیں جو اب تک انسانی فہم و فراست کی دسترس سے باہر تھیں لیکن بتدریج علم
اور سائنسی ترقی کی وجہ سے جیسے جیسے اس کی ذہنی سطح بلند ہوتی جا رہی ہے وہ انہیں کسی حد تک
سمجھنے کے قابل بنتا چلا جا رہا ہے۔ الغرض اب تک قرآن مجید کے جس پہلو پر بھی تحقیقی نظر ڈالی گ
ہے وہ اعجاز و اسرار کی ایک وسیع دنیا اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنو
اور انسانوں کی اجتماعی دانش کو کھلا چیلنج کرتے ہوئے اعلان عام کر رکھا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش
کر دے اور پھر خود ہی پیش گوئی بھی فرما دی کہ دنیا ایسا کرنے سے ہمیشہ عاجز اور درماندہ رہے گی۔
سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر88 میں ارشاد ہوا: قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل
ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا "یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور
جن مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہ
کیوں نہ بن جائیں"۔ گویا کہ فرقان حمید ایک مستقل معجزہ ہے جس کے سامنے انسانوں اور جنو
کی عقلیں اپنے عجز و انکسار کا اظہار کرتی رہیں گی۔ قرآن میں کفار مکہ کے بارے میں آیا کہ وہ کہتے
تھے کہ پیغمبر علیہ السلام پر سابقہ انبیاء جیسی نشانیاں مثلاً حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی آسمانی آگ
کا قربانی قبول کرنا یا موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا وغیرہ کیوں نہیں اتریں۔ اس کا ایک
جواب تو یہ فرمایا گیا کہ اے انسانو! تم نے ان نشانیوں کو بھی نہیں مانا تھا بلکہ انہیں صریح جادو قرا
دے کر کفر کی ڈگر پر ہی چلتے رہے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا: اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتب یتلی
علیھم (العنکبوت۔51) کیا (معجزات طلب کرنے والے) لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسی کتاب نازل کر دی ہے جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے"۔ یعنی قرآن بذات خود سب
سے بڑا معجزہ ہے جو ہر ایک کے سامنے موجود ہے اور موجود رہے گا اور یہی کافی ہے۔ ج
معجزات اور نشانیاں اس سے پہلے ہم نے اتاریں اسے تم نے بحیل و حجت انکار کر دیا تھا لیکن یہ معج
ان سب سے مختلف نوعیت کا ہے۔ عنقریب تمہاری عقلوں پر انفس و آفاق میں چھپی ہوئی نشانیو
کے ایسے حیرت انگیز اور ایمان افروز انکشافات ہوں گے کہ تمہیں قرآن کی صداقت کے آگ

سرنگوں ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وقل الحمد لله سيريكم ايته فتعرفونها وما ربك بغافل عما تعملون (النمل:93)

"آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لو گے اور جو کچھ تم کرتے ہو تمہارا پروردگار ان سے بے خبر نہیں ہے"۔

اس کے علاوہ سورہ حم سجدہ کی آیت نمبر53 میں ارشاد ہوا ہے:

سنريهم ايتنا فى الآفاق وفى انفسهم حتى يتبين لهم انه الحق

"یعنی ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں اور خود ان کے نفسوں میں نشانیاں دکھلاتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ ان پر صاف ظاہر ہو جائے گا کہ یہ حق ہے"۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ان فرمودات کی صداقت کی ایک جھلک آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ کتنے ہی سائنسی اکتشافات جو طویل جدوجہد اور تحقیقی کاوش کے بعد گذشتہ اور موجودہ صدی میں ہوئے لیکن وہ قرآن میں پہلے ہی سے بیان کر دئے گئے تھے۔ جنہیں دیکھ کر سائنس دان قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اسی طرح روح اور روحانیت پر ریسرچ نے انہیں اس امر کا قائل کر لیا ہے کہ موت زندگی کا انجام ہرگز نہیں ہے بلکہ جنہیں ہم مردہ کہتے ہیں وہ سب ایک دوسری دنیا میں زندہ ہیں۔ اس طرح گویا وہ عقلی طور پر اللہ، قرآن اور حیات بعدالموت پر ایمان لانے کی منزل کے قریب آگئے ہیں اور وہ وقت اب دور نہیں جب اللہ تعالےٰ سائنس کے ذریعے بھی اپنا وجود منوا کر رہے گا۔ قرآن کریم کے خصوصی معجزہ ہونے کے بارے میں صحیح بخاری باب الاعتصام میں حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ پیغمبروں میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے معجزات عنایت کئے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور بے شک جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتارا۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ گذشتہ پیغمبروں کے معجزات چونکہ وقتی تھے اور انہیں دیکھنے والوں کی تعداد بھی یقیناً محدود ہوگی۔ ان ناظرین اور حاضرین میں سے جنہیں اللہ نے توفیق عطا فرمائی صرف وہی ان پر ایمان لے آئے۔ اس کے برعکس حضور ﷺ کے دائمی معجزہ کو قیامت تک آنے والے لوگ مسلسل دیکھتے چلے جائیں گے۔ اس معجزہ کا عرصہ صدیوں پر محیط اور اس کا مشاہدہ کرنے والوں کی تعداد بھی اسی نسبت سے بہت زیادہ ہو گی اور حضور ﷺ کی امت کی تعداد اللہ کے فضل سے دوسرے تمام انبیاء کی امتوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ (جاری ہے)

مسلمان قوم کا زوال اور اس کا علاج

(عبدالرشید ساہی

شعر نمبر1

میر سپاہ ناسزا' شکریاں شکستہ صف
آہ وہ تیری نیم کشی' جس کا نہ ہو کوئی ہدف

علامہ فرماتے ہیں مسلمانوں کے رہنما چونکہ نااہل ہیں اس لئے مدتوں سے قوم کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ یہ سب خرابیاں اس لئے رونما ہوئیں کہ قوم کے سامنے کوئی نصب العین نہیں ہے اگر تیرانداز کے سامنے کوئی مقصد نہ ہو تو تیر بھی ضائع ہو جائے گا اور کمان کھینچنے میں جو محنت کی گئی ہے وہ بھی اکارت جائے گی اسی طرح اگر قوم کے سامنے کوئی نصب العین نہ ہو تو افراد کی کوشش کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ علامہ نے یہ شعر 1934ء میں لکھا تھا لیکن آج بھی قوم پر اسی طرح صادق آتا ہے جس طرح کہ اس وقت آتا تھا کیونکہ اس وقت بھی قوم کے سامنے کوئی ہدف نہیں تھا اور آج بھی نہیں ہے ہر طرف خود غرضی کا بازار گرم ہے ہر شخص اپنی ذاتی ترقی کی کوشش میں مصروف ہے قوم کی ترقی کا خیال نہ کسی کو پہلے تھا اور نہ آج یہی وجہ ہے کہ کاسہ گدائی لے کر ہم کبھی برطانیہ کے دروازے پر دستک دیتے ہیں تو کبھی امریکہ سے خیرات مانگنے جاتے ہیں غیروں کے ٹکڑوں پر گزارہ کر رہے ہیں کہلاتے مسلمان ہیں اور ان کو کافر کہہ کر پکارتے ہیں مگر رازق ان کو سمجھتے ہیں نہ جانے غیرت کہاں کھو گئی ہے چین اور جاپان کو دیکھیں بعد میں آزادی حاصل کرنے والے ترقی کے عروج پر پر جا رہے ہیں لیکن ہم دن بدن پستی کی طرف۔ مسلمانوں کا نصب العین جیسا کہ قرآن مجید سے واضح ہے صرف ایک ہے تبلیغ و اشاعت اسلام لیکن ہم نے آج تک اس کے لئے کوئی نظام قائم نہیں کیا اور نہ ہی اس کے قیام کے کوئی آثار نظر آتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

شعر نمبر2

تیرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں
ڈھونڈ چکا ہوں موج موج دیکھ چکا ہوں صدف صدف

علامہ فرماتے ہیں اے مسلمان میں نے اچھی طرح تلاش کر کے دیکھ لیا تیری شخصیت کے سمندر میں زندگی کا موتی کہیں نظر نہیں آتا زندگی کے موتی سے مراد ہے جذبہ تبلیغ و اشاعت اسلام۔ مسلمانوں کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے یعنی وہ پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اس دنیا میں اسلام کی تبلیغ کرے۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے

اے مسلمان تیری ہستی کا راز تکبیر میں منحصر ہے اس لئے کلمہ توحید کی حفاظت اور اشاعت تیری زندگی کا واحد مقصد ہے اور جب تک ساری دنیامین اسلام کا نام بلند نہ ہو جائے تو فارغ ہو کر کہیں نہیں بیٹھ سکتا قرآن مجید کی رو سے مسلمانوں کی زندگی کا واحد مقصد یہ ہے کہ اللہ کے نام کو دنیا میں بلند کیا جائے اور یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ وہ اپنے مقصد حیات سے بالکل غافل ہے لیکن اس کے باوجود رحمت الٰہی کا امیدوار ہے حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے "ساری کی ساری عزت اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے لئے ہے" لیکن افسوس صد افسوس کہ ہم یہ عزت دنیا کی مادی لذتوں میں تلاش کر رہے ہیں۔

شعر نمبر3

عشق بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگار دیر میں خون جگر نہ کر تلف

علامہ فرماتے ہیں کہ غافل مسلمان خدا کے لئے بت پرستی سے باز آ اور اپنے مقصد حیات کی طرف توجہ کر اور یہ صرف اس وقت ممکن ہے کہ اپنی خودی میں ڈوب جا اور دنیا کی فانی دلچسپیوں میں اپنی خداداد توانائی کو برباد مت کر اگر مسلمان کا مقصد حیات مادی یا دنیاوی ہوتا تو اسے اپنی خودی کی معرفت کی ضرورت نہیں تھی وہ غیر قوموں کی طرح اس کے بغیر بھی اپنا مقصد حیات حاصل کر سکتا تھا لیکن اسلام نے مسلمان کے سامنے جو نصب العین رکھا ہے اس کے حصول کی پہلی شرط معرفت ذات خویش ہے اور معرفت ذات، عشق رسول ﷺ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی مسلمان

صرف امام انبیاء سرکار دو عالم ﷺ کی غلامی سے منزل مقصود کو پا سکتا ہے کارل مارکس کی پیر
سے دنیا تو کامل ہو سکتی ہے عقبیٰ نہیں مل سکتی اور اگر اس نے صرف دنیا کو اپنا مقصود بنالیا تو وہ انسانی
حیثیت سے شاید ترقی کرلے' مسلمان کی حیثیت سے ترقی نہیں کر سکتا اور مسلمان جب مسلمان
رہا تو پھر اس کا عدم اور وجود اقبال کی نظر میں یکساں ہے اگر ہم تنہائی میں غور کریں تو جلد معلوم
جائے گا کہ نبی مکرم ﷺ نے 63 سالہ زندگی جس طرح بسر کی وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور
ﷺ ہی کی اتباع میں کامیابی کا راز مضمر ہے رب کعبہ کی قسم یورپی تقلید انسانیت کی موت ہے
لیکن دامن مصطفیٰ ﷺ کو تھامنے سے دنیا و آخرت دونوں میں نیک نامی اور نیک انجامی ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں

شعر نمبر 4

کھول کے کیا بیاں کروں سر مقام مرگ و عشق
عشق ہے مرگ باشرف' مرگ' حیات بے شرف

اس شعر میں اقبال اپنا مافی الضمیر صاف لفظوں میں بیان کرتے ہیں کہ اے مسلمان تیرا مقصد
حیات تو عشق ہے پس مرنے سے مت ڈر' عشق اختیار کر' موت بہر حال ایک نہ ایک دن تم
آئے گی اگر تو اس حالت میں مرا کہ عشق رسول ﷺ تیرے دل میں سمایا ہوا ہو تو یہ عزت
موت ہوگی یعنی عشق' مرگ باشرف کا دوسرا نام ہے اور اگر تو نے سرور کونین نبی مکرم ﷺ
محبت کے بغیر زندگی بسر کر دی تو اللہ کی نظر میں تیری ساری زندگی بے قیمت اور بے کار زندگی
موت' حیات بے شرف کا دوسرا نام ہے اب مسلمان کو خود فیصلہ کرنا ہوگا کہ عزت کی موت اچھی
ہے یا ذلت کی زندگی اچھی ہے یہ سچ ہے کہ عاشق کو اپنا سر ہتھیلی پر رکھنا پڑتا ہے لیکن اس کا صلہ
تو یہ ملتا ہے کہ اس کی زندگی اللہ کی نظر میں قیمتی ہو جاتی ہے اور جو شخص میدان جنگ سے گریز کرتا
ہے ممکن ہے کہ وہ دس بیس سال اور زندہ رہ لے لیکن اس کی زندگی بے قدر و قیمت ہوتی ہے
افغانستان کی جنگ میں ہم نے کردار ادا کیا ہے جس کی بناء پر ہم اپنی نظر میں آپ مجرم ہیں کہ ہم
طاقت ہوتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائیوں کو غیروں سے تباہ کروا دیا ان بھائیوں کو جو
سال روسی جارحیت کا مقابلہ کر کے ہماری سرحدوں کی حفاظت کرتے رہے جنہوں نے انتہائی

سروسامانی کی حالت میں اشعار اسلام کی پاسداری کی عظمت اسلام کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ انتہائی غربت اور افلاس میں بھی غیروں کے در پر گدائی نہیں کی بلکہ خوداری اور آن بان سے مشرکوں کا مقابلہ کرتے رہی ان کو غیروں کے ہاتھوں شکست نہیں ہوئی بلکہ اپنوں کی کرم فرمائی آن بان سے مشرکوں کا مقابلہ کرتے رہے ان کو غیروں کے ہاتھوں شکست نہیں ہوتی بلکہ اپنوں کی کرم فرمائی کی وجہ سے پسپائی اختیار کرنی پڑی خدا کی قسم وہ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے وہ دنیا کی نظر میں ناکام ہوئے لیکن اللہ کی نظر میں سرخرو اور معزز ہو گئے اتحادی اپنے تمام جدید وسائل کے باوجود بھی ان کے جذبہ حیرت کو شکست نہیں دے سکے آج بھی اتحادی درندے خوف کی کیفیت میں رہ رہے ہیں اور انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب افغانستان امریکی اور برطانیوی خونخواروں کا قبرستان بن جائے گا اور بش اور ٹونی بلئیر افغانستان پر ہمیشہ حکمرانی کرنے کا خواب اپنے ساتھ لے کر موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

مسلمان کو لازم ہے کہ عشق رسول ﷺ اختیار کرے تاکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرکے اس کی خوشنودی حاصل کر سکے مسلمان کا مقصد حیات حصول رضائے باری تعالیٰ ہے اور اللہ کو راضی کرنے کا طریقہ جہاد فی سبیل ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد اس وقت ممکن ہے جب مسلمان خدا سے محبت کرے اور محبت الٰہی کا طریقہ اتباع رسول ﷺ ہے۔ مسلمان کو لازم ہے کہ وہ بتوں سے عشق کرنے کی بجائے سرور کونین ﷺ کے عشق میں فنا ہو کر ابدی زندگی پا جائے۔

شعر نمبر5

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

علامہ اقبال فرماتے ہیں آج بھی اگر کوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح فرعونیت سے ٹکرانے کا ارادہ کر لے تو وہ تن تنہا کفر کا مقابلہ کرنے کے لے سربکف میدان جہاد میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے کیونکہ خدائی طاقتیں آج بھی وہی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت تھیں وہی خدا ہے وہی نظام کائنات ہے وہی وعدے وعید ہیں اللہ کی طرف سے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اگر تبدیلی آئی ہے تو انسانوں کے ایمان اور کردار میں آئی ہے علامہ فرماتے ہیں۔

مقام بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

آج بھی اگر مسلمان اپنے ایمان کو پختہ کرلے اور اللہ پر یقین محکم پیدا کرلے اور اپنے اندر عشق رسول ﷺ موجزن کرلے تو خدائی مدد اور نصرت کی آواز آج بھی آسمانوں سے آسکتی ہے تاریخ گواہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تن تنہا دربار جہانگیری میں آواز حق بلند کی تو انہیں خدائی تائید نصرت حاصل ہوئی خدا تعالیٰ نے اسباب پیدا کر دیئے قائداعظم محمد علی جناحؒ نے استقامت سے خدائی نصرت کو آواز دی تو اللہ تعالیٰ نے آزاد ملک پاکستان عطا فرمایا لیکن صد افسوس کہ ہم نے عطیہ خداوندی کی قدر نہ کی اور اس ملک عزیز میں اسلامی نظام کو نافذ کرنے کی بجائے یہاں سیکولر نظام آزماتے رہے اور آزما رہے ہیں جس کی وجہ سے ذلت اور بربادی ہمارا مقدر بنی کیونکہ جب تک ہم مسلمان اسلامی اشعار کو نہیں اپنائیں گے اپنے آپ کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے رنگ میں نہیں رنگیں گے خوشحالی اور شادمانی نہیں آئے گی آج بھی اگر ہم خلوص نیت سے اس ملک میں اسلامی تشخص کا احیاء یقینی بنادیں تو کوئی ایڈوانی، بش یا واجپائی اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہیں کرسکتا۔

افرنگی تہذیب پر فخر کرنے والو!! غور اور فکر کرو قانون فطرت کو پس پشت ڈال کر کیوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہو اور خدائی قانون کے لحاظ سے باغی بن رہے ہو۔

شاخ نازک پہ جو آشیا نہ بنے گا وہ ناپائیدار ہو گا

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف فرمادیا ہے۔ "حق آگیا اور باطل چلا گیا اور باطل کو ایک دن جانا ہی تھا"

جب سے دنیا معرض وجود میں آئی ہے کفر اور اسلام کا مقابلہ جاری ہے خیر اور شر کی قوتیں حالت تصادم میں ہیں شر کبھی بھی خیر کو برداشت نہیں کرسکے گی اس تناظر میں مسلمانوں کو ہوش میں آنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سب سے پہلے مسلمان حاکموں کا فرض بنتا ہے کہ وہ سارے ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر کفار کا مقابلہ کریں مشترکہ دفاعی نظام پیدا کریں مشترکہ فوجی دستے تشکیل دیں جب کہ ان کے پاس خانہ کعبہ کی شکل میں ایک مرکز موجود ہے فریضہ حج محض ایک رکن

عبادت نہیں بلکہ یہ تمام دنیائے اسلام کے لئے یکجہتی کا پیام ہے علامہ اقبال نے بہت پہلے فرمادیا تھا۔

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے خدائی

شعر نمبر 6

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں میں نے آنکھ میں مدینہ طیبہ اور نجف کی خاک کا سرمہ لگالیا ہے اس لئے فرنگیوں کے فلسفہ اور سائنس کے جلوہ سے میری آنکھ میں چکا چوند پیدا نہیں ہو سکتی یہ شعر قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر ہے جس میں رب کریم نے فرمایا ہے۔ "اے مسلمانوں یہود و نصاریٰ تمہارے کبھی بھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے" لیکن اس کے باوجود ہم خدائی حکم کے برعکس کبھی امریکہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں تو کبھی تاج برطانیہ کو سلام کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں یہی ہماری بربادی کے اسباب ہیں۔ ہمیں مغربی علوم سے متاثر نہیں ہونا چاہئے بلکہ قرآن کو امام اور نبی مکرم ﷺ کی تعلیمات کو رہبر بنا کر اپنا قبلہ درست کرنا چاہئے اسی میں دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز مضمر ہے اگر مسلمان کے دل میں سرکار دو عالم ﷺ کی محبت جاگزیں ہو جائے تو وہ کبھی دانش افرنگ سے متاثر ہو کر گمراہ نہیں ہو سکتا اس کی نگاہ میں فلسفہ مغرب کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی کیونکہ فلسفہ بحر حال ظنی ہے اور ارشادات نبوی ﷺ حقیقت پر مبنی ہیں۔

نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ رب کریم ہمیں قرآن اور حدیث کے قوانین پر عمل پیرا بنا دیں اور صحبت مرد باصفا عطا فرمادیں۔ میاں صاحب فرماتے ہیں

مرد ملے تاں مرض گواوے اوگن دے گن کردا
کامل مرد محمد بخشا لعل بنان پتھر دا

اسلامی حکومت کے عاملین

(حضرت علامہ سید سلیمان ندوی

مظفر آباد میں صدر آزاد کشمیر کی دعوت پر 14 اگست 1951ء کو وزراء اور عمال حکومت سے خطاب فرمایا۔

قال اللہ تعالیٰ۔ واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل

حضرات۔ آج آپ صاحبوں کو یہاں ایک سرکاری دفتر کے اندر مجتمع دیکھ کر بہت خوش ہوا اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائیں۔

بہترین حکومت

کراچی میں میری بڑی تمنا تھی اور یہ جی چاہتا تھا کہ سرکاری ملازمین کی کوئی مجلس ہوتی تو ان سے میں کچھ کہتا، مگر میری یہ تمنا وہاں پوری نہ ہوئی لیکن بحمد اللہ کہ میری یہ تمنا یہاں پوری ہوئی اور آج مجھے سرکاری ملازمین کے سامنے تقریر کرنے کا موقع ملا، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ جن کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں وہ آپ کی اصلاح، اخلاقی پاکیزگی اور اچھائی کی فکر کر رہے ہیں اور وہ دل سے چاہتے ہیں کہ ان کے عمال، دیانت امانت احساس ذمہ داری اور پاکیزہ اخلاق کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کریں اور کسی حکومت کی یہی سب سے بڑی سعادت مندی اور خوش بختی ہے کہ وہ اپنے اندر اصلاحی روح رکھتی ہو اور اپنے ماتحتوں اور رعایا کی سیرت، کردار اور اخلاق کی درستی کی اہمیت پر یقین رکھتی ہو، اور اس کے لئے بھی ویسی ہی کوشش کرتی ہو جیسی وہ شہری انتظام اور امن و امان کے لئے کرتی ہے اور صحیح بات تو یہ ہے کہ شہری انتظام کی خوبی اور امن و امان کی بحالی بھی زیادہ تر رعایا اور ملازمین کے کردار کی بہتری اور اخلاق کی عمدگی پر منحصر ہے۔

آیت بالا کا وسیع مفہوم

میں نے آغاز کلام جس آیت پاک سے کیا ہے وہ سورہ نساء کی آیت ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، فیصلہ کرنے کے لفظ سے صرف یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کا تعلق صرف عدالت کی کرسی پر بیٹھنے والے حاکم سے ہے بلکہ اس کا تعلق حکومت کے ہر فرد اور ہر رکن سے ہے، حکومت کے ہر فرد کا تعلق باشندوں کے معاملات اور کاموں سے پڑا کرتا ہے اور ہر ایک کو ہر معاملہ اور ہر کام کے وقت اس معاملہ اور کام کے متعلق فیصلہ کرنا پڑتا ہے اس لئے ہر معاملہ اور کام کے متعلق حاکم کو قلم اٹھاتے ہوئے انصاف کرنا چاہئے

اسی طرح تقررات کی مجلس کے ہر رکن کو انصاف کے ساتھ امیدواروں کے متعلق رائے دینی چاہئے۔ کلرکوں کو اور ماتحت کارگزاروں کو اسی انصاف کے ساتھ نوٹ تیار کرنا چاہئے۔ پولیس کو اسی انصاف کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ غرض رکن حکومت اور وزراء سے لے کر کلرکوں اور سپاہیوں تک ہر ایک کو اپنے اپنے دائرہ میں انصاف پر کاربند ہونا چاہئے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ انصاف صرف حاکموں' ججوں اور مجسٹریٹوں کو کرنا چاہئے بلکہ ہر ملازم حکومت کو اپنے اپنے دائرہ میں انصاف کا پابند ہونا چاہئے اسی سے حکومت کی نیک نامی بلکہ قیام اور بقا منحصر ہے' دوستوں کی دوستی' عزیزوں کی عزیزداری' دشمنوں کی دشمنی' دولت مندوں کی دولتمندی' طاقت والوں کی طاقت' کوئی چیز آپ کو انصاف کی حد سے باہر نہ لائے' حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کی پہلی تقریر میں فرمایا تھا کہ "تم میں سے قوی میرے نزدیک ضعیف ہے جب تک اس سے حق نہ لے لیا جائے اور تم میں سے ضعیف میرے نزدیک قوی ہے جب تک اس کا حق اس کو نہ دلایا جائے"۔

آیت بالا میں لفظ ناس بھی غور کے قابل ہے' یہ نہیں کہا گیا کہ اس انصاف کا لحاظ صرف مسلمانوں کے درمیان کرو' بلکہ فرمایا گیا کہ لوگوں کے درمیان کرو جس میں مسلم اور غیر مسلم سب داخل ہیں۔ انصاف اور قانون کی نظر میں سب کو مساوات اور یکسانی حاصل ہے اور اسی سے اسلامی حکومت کی اصلی خصوصیات نمایاں ہو سکتی ہیں۔

ملازمین حکومت کے اعضاء ہیں

حضرات! حکومت اگر ایک جسم ہے تو اس کے سارے ملازمین اور چھوٹے بڑے افسر اس کے اعضاء و جوارح ہیں' اگر حکومت کی کوئی مجسم شکل ہوتی تو اس کے ہاتھ' پیر' آنکھ' کان اور ناک وغیرہ یہی لوگ ہوتے ہیں جو کانسٹیبل اور کلرک سے لے کر وزراء تک شمار ہوتے ہیں' حکومت کی اچھائی اور برائی انہیں لوگوں کی اچھائی اور برائی سے ہوتی ہے' اگر عام لوگ ان سے اذیت اور دکھ محسوس کرتے ہیں' تو حکومت بری کہلائے گی اور اگر عوام کو ان سے راحت و اطمینان حاصل ہو' تو حکومت اچھی کہلائے گی۔

راحت کثرت آمدنی میں نہیں قلت مصارف میں ہے

عام طور پر ملازمین ایک نہایت معمولی اور افسوسناک ذہنیت کا شکار رہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہمیشہ ان کو اس کی فکر رہتی ہے کہ ان کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ ہو اور آمدنی کا دروازہ کشادہ رہے کہ ان کے لئے راحت و آسائش کے سامان مہیا رہیں' کار ہو' شاندار مکان ہو' عمدہ سوٹ ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ راحت و آسائش کا اصل مقام ان سارے تصورات سے بہت دور ہے' تنخواہ کی

ترقی عموماً" اضافہ مصارف کی موجب ہوتی جاتی ہے۔ اہل و عیال کی بجائے یہ روپیہ فیشن پرستی پر خرچ ہو جاتا ہے وہ اپنی زائد آمدنی چاہئے، سگریٹ، بیڑی، سینما اور بیہودہ اخراجات پر خرچ کرتا ہے۔ عموماً" دیکھا جاتا ہے کہ ضروری مصارف حیات کے بجائے اس قسم کی آمدنیاں مسرفانہ مصارف ہی میں خرچ ہو جاتی ہیں اور ان مسرفانہ مصارف کا سلسلہ مزید مسرفانہ مصارف کا باعث بن جاتا ہے۔ چھوٹے ملازموں سے لیکر بڑوں تک کا یہی حال ہے، اس لئے راحت کی اصلی راہ قناعت کے ساتھ اپنے غیر ضروری مصارف کو گھٹانا ہے ان کا بڑھانا مزید آمدنی کا طالب ہونا پھر اس کی صورت یا قرض ہے یا ناجائز صورت رزق، جس سے نہ صرف ملازمین کی تباہی ہوتی ہے، بلکہ پوری ملت کی تباہی ہوتی ہے، غور کیجئے اگر کسی کو اپنی ایک کار کے باعث اگر کوئی خوشی ہے تو دوسرے کے پاس دو ہوں گی اور اس سے بہتر، تو دوسرے کا یہ حال دیکھ کر پہلے کو اپنی حالت پر پھر افسوس آئے گا۔ اور دو کار والے کے مقابلے میں اس کو اپنی کمتری و حقارت کا احساس ہو گا، اسی طرح ان چیزوں میں ضرور ہر ایک ہر دوسرے سے کچھ کم یا زیادہ ہو گا۔ ان چیزوں میں جس قدر بھی اپنے افکار کو الجھایا جائے گا اسی قدر پریشانی خاطر بڑھتی اور پھیلتی جائے گی، اس لئے ان چیزوں کو تسکین و راحت کا معیار ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تسکین و راحت اور اطمینان کی اصل اور بنیادی چیزیں، صحیح نیت، دیانت، امانت اور عبادت سمجھ کر کام انجام دینا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (بے شک دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر میں ہے) اور یہی خوبیاں اسی قسم کے تصورات اور اسی قسم کے فکری مشاغل، حقیقی راحت و اطمینان کے موجب ہوں گے، کاروباری اور حساب و کتاب کی سی ذہنیت اور رواجی قسم کی راحت طلبی مزاج میں پیدا ہو جانے سے کمائی سے برکت ہی اٹھ جاتی ہے۔ "برکت" کو نہ جانے لوگ کیا سمجھ رہے ہیں شاید یہ سمجھتے ہوں کہ بیس کے تیس ہو جائیں یا تیس کے چالیس ہو جائیں۔ برکت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے لیکن حصول برکت کی دوسری بہترین صورت یہ ہے کہ ضرورتیں خود بخود ہی کم ہوتی جائیں اور پیدا شدہ ضرورتوں کو تھوڑی آمدنی ہی با آسانی مکتفی ہو جائے۔

اسلامی حکومت کی خدمت بھی عبادت ہے

اسلام کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ وہ ہمارے تمام کاموں کو عبادت بنانا چاہتا ہے اسلام کے متعلق یہ سمجھنا کہ صرف مسجد میں محدود ہے، صحیح نہیں، اسلام تو جس طرح مسجد میں ہے، اسی طرح معرکہ کارزار میں اسی طرح مدرسہ میں، اسی طرح بازار میں، اسی طرح دفتر میں اور اسی طرح کارخانہ میں ہماری زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، جسے ہم اسلام سے باہر سمجھ سکیں، یہ دین و دنیا کی تفریق ہی

غلط ہے جس طرح مسجد میں نماز پڑھنا عبادت ہے' اسی طرح دفتر میں خلوص نیت سے حکومت کے کسی کام کو انجام دینا بھی عبادت ہے' ایک مسلمان حکومت کا عامل ہو کر اپنی دیانت اور امانت کو قائم رکھ کر ہر وقت ہی عبادت میں رہ سکتا ہے' بشرطیکہ اس کی نیت میں اخلاص ہو' ایک مجاہد سرحد پر پہرہ دیکر اسی طرح ثواب حاصل کر سکتا ہے جس طرح ایک نمازی نفل پڑھ کر' بعض اوقات مجاہد اس نفل پڑھنے والے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

عوام کی خدمت

یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ عمال حکومت کو اکثر ایسے مواقع پیش آجاتے ہیں کہ وہ عوام کی ان واقعی ضرورتوں کو جن کو پورا کرنے کے لئے انہیں کرسیاں دی گئی ہیں اور تنخواہیں مقرر کی گئی ہیں' استحصال ناجائز کے بغیر پورا کرنے کو تیار نہیں ہوتے ایک دفتر میں کوئی نووارد ضرورت مند پہنچ جائے تو اس کو مفید مشورہ دینے کے بجائے ٹال مٹول کر ادھر ادھر کے چکر میں مبتلا کر دیا جاتا ہے' بالاخر وہ پریشان و مجبور ہو کر اپنی ضروریات کو پاتا ہے یا محروم رہ جاتا ہے دونوں صورتوں میں وہ اپنے دل میں ایک شدید اذیت محسوس کرتا ہے کہ جو لوگ اس کی خدمت اور سہولت بہم پہنچانے پر متعین ہیں' ان سے نفع کی بجائے کتنا نقصان پہنچ رہا ہے' حقیقت میں ایسے لوگوں سے حکومت کا وقار بڑھنے کے بجائے گرتا جاتا ہے اور اخلاقی دنیا میں اسی طرح حکومت کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی' گذشتہ دور میں بعض شخصی حکومتیں بھی ایسی رہی ہیں جنہوں نے اپنے دور حکومت میں اخلاق و انسانیت کا بڑا مقام پایا' اس وقت مجھے ملک شاہ سلجوقی کا ایک واقعہ یاد آیا کہ گھوڑے پر سوار ایک پل سے گزر رہا تھا کہ سامنے ایک بڑھیا آکر کھڑی ہو گئی جس کے لڑکے کو کسی سپاہی نے بطور بیگار پکڑ لیا تھا' بڑھیا نے بڑے دردمندانہ لہجے میں سلطان سے فریاد کی کہ تمہارا فلاں سپاہی میرے لڑکے کو بلاوجہ پکڑ کر لے گیا ہے' سلطان نے کہا تم دربار میں استغاثہ پیش کرو' بڑھیا نے کہا کہ اے سلطان۔ میرا فیصلہ تم کو اسی وقت پل پر کرنا ہو گا یا پھر کل اس پل (پل صراط) پر فیصلہ ہو گا' بڑھیا کی یہ بات سن کر سلطان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس نے اسی وقت بڑھیا کی فریاد رسی کی۔

اسلامی حکومت کی عدالت

عدالتوں میں قاضی ہوں یا جج صاحبان' بہرحال انہیں اپنی ذمہ داری کو صحیح طریقہ سے ادا کرنے کے لئے بڑی احتیاط دیانت اور احتساب کے ساتھ کام کرنا پڑے گا' بار بار ان کے پاس قسم قسم کے مقدمات آئیں گے اور ہر ہر مقدمہ اور اس کا فیصلہ ان کے لئے نازک ترین امتحان ہو گا اگر وہ اپنے

آپ کو اللہ کا ایک خلیفہ' رسول اللہ ﷺ کا پیرو کار سمجھ کر اخلاص نیت و فکر سلیم کے ساتھ فیصلہ کریں گے' تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر و ثواب پائیں گے' اپنے بلند کردار کی تعمیر کریں گے' قوم کے لئے باعث عزت و فلاح ہونگے حکومت کے لئے ایک مستحکم رکن اور مضبوط کارکن ثابت ہوں گے' عدالتون کی یہ صفت و سعادت ایسے ایسے مفید اثرات و برکات کی موجب ہو گی کہ سارے عوام میں کردار' اصول اور اخلاق حسنہ کی استعداد پیدا ہو کر سعادتمند سوسائٹی کی بنیاد پڑتی جائے گی اور اسی طرح کی اجتماعی برکات رکھنے والی حکومت سارے عالم کو خیر و سعادت کی طرف "دعوت دینے والا ادارہ" بن جائے گی' لیکن اگر پیش آنے والے مقدمات کو صحیح طرح سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی' دیانت و امانت کے متعلق اسلام کے بتائے ہوئے اصول کو نظرانداز کر دیا گیا اور رشوت و ارتشاء کا ذوق و شوق پیدا ہو گیا' تو صحیح حدیث کے مطابق اپنے لئے دہکتی ہوئی آگ کے انگاروں کا انتظام کر لیا گیا' دنیا میں بھی اس کا اثر رسوائی و بدنامی کے سوا کچھ نہیں' معلوم رہے کہ آج کے فیصل کئے ہوئے مقدمات کل سب کے سب اللہ کے حضور میں پیش کئے جائیں گے' اس وقت یہ ہرگز ضروری نہ ہو گا کہ جس شخص کو آج مقدمہ میں اس کے اپنے نقطہ نظر سے کامیابی ہوئی یا اس کے وکیل کی چرب زبانی یا کسی گواہ کی کذب بیانی سے کچھ حاصل ہوا' تو کل بھی اس کو یہ کچھ اسی طرح حاصل ہو جائے' وہاں کسی کی چرب زبانی یا کسی کی ناجائز تدبیر اور کسی کی ہوشیاری کارگر نہیں ہو سکتی' اس لئے جو لوگ غلط فیصلہ سے کوئی چیز حاصل کر لیں۔ جو ان کی نہیں تو وہ ان کے لئے باعث عذاب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ فریقین مقدمہ میں کوئی زیادہ فصیح اللسان بھی ہوتا ہے' تو اگر میں کسی کو کوئی چیز دلا دوں' جو اس کی نہیں تو میں نے اس کو آگ کا ٹکڑا دیا ہے (او کما قال) دو صحابیوں میں ایک زمین کے باب میں جھگڑا تھا' حضرت ام سلمہ ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' کہ جو شخص کسی کی ایک بالشت بھر زمین بھی ناجائز طور پر دبائے گا تو قیامت کے دن زمین کے ساتوں طبقوں میں دھنسا دیا جائے گا' یہ سن کر ان صحابیوں نے زمین سے اپنا دعویٰ اٹھا لیا اور ہر ایک یہ کہنے لگا کہ یہ آپ لیں اور وہ کہتا کہ آپ لیں۔

اسلام میں حکومت کا مطمع نظر ہی یہ ہے کہ انسانوں کے سارے مسائل و معاملات کو عدل و انصاف کے ساتھ انجام دیا جائے اور انہیں کتاب و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

حاکمانہ ذمہ داری

حاکمانہ ذمہ داری ایک نازک و مشکل ترین ذمہ داری ہے حکومت کا ایک معمولی ملازم بھی اگر

دیانت و احساس کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیگا تو پوری ملت کی تعمیر و اصلاح میں حصہ دار ہو گا اور اگر وہ اپنی ڈیوٹی میں، دیانتدار نہ ہو گا، تو اس کا ضرر پوری ملت کو ضرور متاثر کریگا، عوام کے اندر مقبولیت یہ ہرگز نہیں کہ سنگینوں کے زور اور قاہرانہ دباؤ سے اپنا وقار جمایا جائے اور رعب اور طاقت کے ذریعے اپنی سیادت و قیادت کو ان سے منوایا جائے بلکہ حقیقی مقبولیت وہی ہے جو دلونکو راغب کرنیوالی ہو اور یہ پاکیزہ اخلاق اچھے کردار اور فرض شناسی سے حاصل ہو سکتی ہے مجھے اس وقت ایک واقعہ یاد آیا جو ایک دفعہ ہارون رشید اپنے محل میں تھا حرم سرا کی کنیز بازار کی طرف دیکھ رہی تھی تو کیا دیکھتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کے استقبال کے لئے ساری مخلوق اُمڈی چلی آ رہی ہے خلیفہ نے پوچھا، تو کیا دیکھ رہی ہے تو کنیز نے جواب دیا یا امیرالمومنین اصل بادشاہی تو عبداللہ بن مبارک کی ہے جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں آپ کی نہیں جو لشکریوں کے زور و جبر سے حاصل ہوتی ہے حضرت عبداللہ بن مبارک کی ساری زندگی ذکر و شغل، نوافل، روزوں اور جہاد میں گزرتی تھی۔ جس کے نتیجے میں دنیا کے اندر بھی اللہ نے انہیں مقبولیت کا بڑا مقام بخشا تھا۔ حقیقت میں یہی مفہوم ہے اس حدیث پاک کا کہ کسی بندے پر جب اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں تو یوضع له القبول فی الارض زبان خلق سے اس کا اچھا ذکر کرایا جاتا ہے اور اس کی نیک نامی کا آوازہ خود بخود پھیلتا چلا جاتا ہے "زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو" عمال حکومت کا سب سے بڑا اور اہم فرض ہے کہ وہ اپنے کاموں کو اللہ کا خوف رکھ کر اہم اور غیر اہم کی ترتیب سے پوری دیانت اور انصاف کے ساتھ انجام دیں، اپنے آپ کو عوام کا خادم سمجھتے رہیں اسی صورت میں عوام راتوں کو رو رو کر ان کی فلاح و نجات کے لئے دعائیں کریں گے اور ان کے دلوں میں عمال حکومت کی بڑی عزت و احترام پیدا ہو گا۔

عمال حکومت کی ذہنیت

ایک اسلامی حکومت کے عمال کو اپنے متعلق یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ وہ پیشہ ور مزدور ہیں بلکہ بحیثیت مسلمان کے وہ اسلامی حکومت کے حصہ دار شریک کار ہیں ان کی تنخواہ حقیقت میں محض پابندی وقت کی جزا ہے کام تو محض رضائے الٰہی کے لئے انہیں کرنا چاہیئے جس طرح آئمہ مساجد اور موذنین کی تنخواہ کو متاخرین نے صرف حبس اور پابندی وقت کے باعث جائز رکھا ہے، اسی طرح اسلامی حکومت کے عام ملازمین کی تنخواہ کا مسئلہ بھی اگر عمال چاہیں تو اسی اصول پر ادا کر سکتے ہیں، عبادت صرف نماز و روزہ ہی نہیں بلکہ اللہ ہی کی رضا جوئی کے لئے جملہ خدمات کو انجام دینا عبادت ہے اسلام تو مسلمانوں کو ہر وقت عبادت کے اندر ہی رکھنا چاہتا ہے، اس دین سے زیادہ

محبوب و محترم کونسا دین ہو سکتا ہے جو اپنے پیروؤں کی پوری زندگی کو عبادت گزار زندگی بنانا چاہتا ہو اور اپنے پاس ان کی زندگی کے مسائل کیلئے قابل ہدایت روشنی رکھتا ہو' عمال حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے کردار' اخلاق' احساس ذمہ داری اور دیانت کیساتھ اپنے ملک اپنی حکومت اور اپنے نظام کار کی عزت کو بڑھائیں' مجھے اسوقت ایک پرانا واقعہ یاد آگیا' ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت کے سلسلے میں میرا یورپ جانا ہوا' وہاں ایک دفعہ انگلستان سے فرانس آنا ہوا تو میں اسی مشرقی لباس میں ملبوس تھا' اگرچہ انگریزی زبان جانتا اور سمجھتا تھا' لیکن فرنچ زبان سے واقفیت نہیں تھی اترتے ہی ساحل پر ایک کانسٹیبل نے فرنچ زبان میں کچھ کہا میں سمجھا کہ اس نے میرے مشرق لباس پر کچھ طنز کیا ہو گا' چنانچہ بے سمجھے اس کا وہ جملہ یاد رکھا' ہوٹل پہنچ کر اپنے ایک فرنچ رفیق سے اس کا جملہ کا ترجمہ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس نے مجھے اجنبی دیکھ کر خوش آمدید کہا اور کہا کہ دیکھو! ہمارا ملک کتنا اچھا ہے' میرے دل پر اسکا بڑا اثر ہوا کہ یہاں کے معمولی درجے کے لوگوں میں بھی اپنے ملک کی عزت اور مسافروں کو خوش آمدید کہنے کا کتنا جذبہ ہے' ایک طرف یہ واقعہ ہے اور دوسری طرف ہمارے ملک کے بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ دوسرے ملکوں کے مسافروں کیساتھ نہایت برا برتاؤ کرتے ہیں' ان کو تنگ کرتے ہیں اور ان سے ناجائز مطالبات کرتے ہیں' جس سے ملک کی شہرت پر بہت برا اثر پڑتا ہے زندہ اور غیور قومیں ہمیشہ حسن کردار سے اپنے ملک وملت کے وقار کو زندہ رکھتی ہیں' تنہا لیاقت علی خان لاکھ چاہیں تو ملک کے نظام واخلاق کو بہتر نہیں بنا سکتے' جب تک کہ آپ سب لوگ ملکر تمام حکام اور عمال اپنے نیک کردار اور حسن اخلاق سے اپنے فرائض کو پوری دیانت اور امانت کیساتھ انجام نہ دیں اسوقت تک ملک وملت کا مجموعی وجود کردار واخلاق کے بلند مقام پر نہیں پہنچ سکتا۔

آپ ہی کے اچھے ہونے سے حکومت اچھی ہو سکتی ہے

حقیقت میں حکومت اور ملک آپ ہیں' آپ اچھے ہیں تو حکومت اچھی ہے اور ملک اچھا ہے اگر آپ برے ہیں تو حکومت بری ہے اور ملک برا ہے اور ملک کو آپ چاہیں تو بدنام کریں آپ چاہیں تو نیک کردیں۔ وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

کتاب زندگی کا پہلا صفحہ (دوسرا حصہ)

(محمد حسین چوہدری)

اب ہم سورۃ فاتحہ کے متعلق ایک بزرگ کے اعتبارات کل کائنات (ایں جہاں و آنجہاں) کے حوالے سے بیان کریں گے مگر اس سے پہلے ضروری ہے کہ کائنات کی ساخت اور اس کی وسعت کے متعلق کچھ معلومات فراہم کی جائیں۔

اب تک سائنسی تحقیقات کے مطابق تمام کے تمام اجرام فلکی جو فضا میں تیر رہے ہیں کروی یعنی گول (دائروی) شکل کے ہیں اور دائروی حرکت میں مصروف ہیں۔ یاد رکھیں علم ہیت اور تصوف میں دائرے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہماری زمین جس نظام شمسی کا حصہ ہے اس نظام میں نو سیارے ہیں جن سب کا مرکز سورج ہے اس کا قطر آٹھ لاکھ پینسٹھ ہزار میل ہے یہ ہماری زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے اور زمین سے ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے جبکہ چاند کا زمین سے فاصلہ دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے سورج کے گرد گھومنے والے نو سیاروں میں سے سب سے دور سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرے میں چکر لگاتا ہے سورج خود بھی ساکن نہیں بلکہ اپنے تمام کنبے (سیاروں اور لاکھوں سیارچوں) سمیت ایک عظیم کہکشانی نظام کے اندر چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے اسی طرح ہزاروں حرکت کرتے ہوئے نظام ہائے شمسی ہیں جن سے مل کر ایک کہکشاں بنتی ہے پھر یہ کروڑوں کہکشائیں (Glaxies) خود بھی حرکت کرتی ہیں چنانچہ علماء فلکیات کے اندازے کے مطابق اس وقت تک معلوم کائنات (مادی کائنات) پانچ سو ملین (ایک ملین دس لاکھ کے برابر) کہکشاؤں پر مشتمل ہے ہماری قریبی کہکشاں جس کا ایک حصہ ہمیں رات کو نظر آتا ہے جس میں ہمارا نظام شمسی ہے اس کا نام ملکی وے (Milky Way) یعنی دودھیا شاہراہ ہے اس ایک کا رقبہ ایک لاکھ نوری سال مربع میل کے برابر ہے (روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ اس رفتار سے روشنی ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال کہتے ہیں) ہماری زمین اس کہکشاں کے مرکز سے تیس ہزار نوری سال کے برابر فاصلے پر ہے اس طرح کی بہت سی کہکشائیں ہیں جن کی تعداد کا اندازہ اوپر بیان کیا گیا ہے حال ہی میں ایک نئی کہکشاں

دریافت ہوئی ہے جسکا ذکر اخباروں میں بھی آیا تھا ہماری زمین سے اس کا فاصلہ 42 کروڑ نوری سال کے برابر بتایا گیا ہے اور ان کہکشاؤں میں بعض ستارے اتنے بڑے ہیں کہ ہماری زمین جیسی اربوں زمینیں اس میں سما سکتی ہیں۔ ان ساری حرکتوں کے علاوہ ایک اور حرکت بھی ہے کہ ساری مادی کائنات غبارے کی طرح ایک خاص نظم کے تحت چاروں طرف پھیل رہی ہے یاد رہے کہ جو فضا ہے جس میں سارے نظام ہائے کہکشانی تیر رہے ہیں بذات خود بھی گول ہے اور یہ سارے نظام اس پر نقطوں کی مانند یوں ظاہر ہوتے ہیں جیسے گول غبارے پر دور دور دھبے ہوں جوں جوں غبارے میں ہوا ابھرتی جائے گی وہ دھبے ایک دوسرے سے دور ہوتے جائیں گے اسی طرح کائنات یعنی فضا کا غبارہ جوں جوں چاروں طرف پھیلتا جا رہا ہے اجرام فلکی یعنی کہکشاؤں کے فاصلے ایک دوسرے سے بڑھ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس فضا کے پھیلنے کی ایک حد ہو اور جب اس حد سے بڑھے تو ایک بڑے دھماکے (Big Bang) سے پھٹ جائے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی مانند اڑتے ہوئے نظر آئیں اور فضا کے غبارے پر ہر شے فنا ہو جائے جیسے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کل من علیھا فان کہ اس پر (فضا کے گولے یا غبارے پر) جو چیز ہے سب فنا ہو جائے گی اس مادی کائنات کی وسعت کا اندازہ ماہرین فلکیات کی تحقیق کے مطابق اس طرح بھی لگایا گیا ہی کہ اگر روشنی کی رفتار یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلنے والا جہاز مادی کائنات کے گرد چکر تقریباً ایک ارب سال میں لگائے گا مگر اس مدت میں فضا یعنی کائنات اتنی پھیل چکی ہو گی کہ وہ جہاز کبھی بھی کائنات کے گرد چکر پورا نہیں کر سکے گا کیونکہ ایک اندازے کے مطابق 130 کروڑ سال میں کائناتی اجرام کے تمام فاصلے دوگنے ہو جاتے ہیں۔

کائنات کی وسعت کے متعلق یہ آئن سٹائن کا نظریہ ہے مگر حکما کا خیال ہے کہ یہ ایک ریاضی داں کا قیاس اور خیال ہے وگرنہ خیال اس سے بھی کہیں وسیع تر ہے اور اس کی وسعت کا اندازہ انسان کے بس کا روگ ہی نہیں مگر پھر بھی یہ ہمارے اعتبار سے لامتناہی کائنات خالق کی اعتبار سے نہایت ہی محدود ہے اس کی کرسی تو دونوں جہاں سے وسیع تر ہے۔ (وسع کرسیہ السموات والارض) اور اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ الا انہ بکل شی محیط

یہ اس مادی جہان کی وسعت کی ایک معمولی سی جھلک ہے اور مابعد الطبیعات والے جہان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک ادنیٰ مسلمان کی جنت اتنی بڑی ہو گی کہ ایک تیز

رفتار گھوڑے کو ایک سے سرے دوسرے سرے تک پہنچنے کے لئے ہزاروں سال درکار ہونگے۔

پیر مہر علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جنت کے پھل اتنے بڑے ہونگے کہ ایک پھل ہماری ساری زمین کو بھردے مگر مومن کے ہاتھ میں سماجائے گا مومن کی کیا شان

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن

ایک مومن کے بقول "دیدہ ام ہر دو جہاں را بنگاہے گاہے" کہ کبھی کبھی میں دونوں جہانوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھ لیتا ہوں جب کہ روشنی کی رفتار سے چلنے والا ہوائی جہاز صرف اس مادی جہان کا کبھی بھی چکر پورا نہیں کر سکتا دوسرے جہان کی تو بات ہی کیا۔ ایک اور مومن المعروف رحمان بابا (عبدالرحمٰن) پشتو صوفی شاعر کی بات سنیں فرماتے ہیں۔

مالی دلے دارفتار درویشاں
یو قدم زمین دا پارا اوبل آسمان

"میں درویشوں کی رفتار جانتا ہوں پہلا قدم زمین پر دوسرا آسمان پر"

حضرت خواجہ خرقانی (پیر خرقان) کے متعلق ایک روائت ہے فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی میرے سینے میں ایسی غیبی قوت پیدا کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو گھسیٹ کر پکڑلوں مزید فرمایا کہ میں خدا کی طرف چالیس قدم گیا ہوں اور تحت الثریٰ سے اعلیٰ علین تک میرا ایک قدم تھا۔

ایسے مومن کی نگاہ میں تخت بلقیس کا آنکھ جھپکنے سے پہلے دربار سلیمانی میں لے آنے کے واقعہ کی کیا وقعت و حیثیت ہے اب اس وسیع کائنات جس میں دونوں جہاں شامل ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں جہانوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے کے متعلق ایک بزرگ جو میرے استاد تھے کے اعتبارات نس پر انہوں نے اس وقت لیکچر دیا تھا جب میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ 1955ء سورۃ فاتحہ ور علامہ اقبالؒ کی نظم "تو اے اسیر مکاں لامکاں سے دور نہیں" کی مدد سے بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گو اللہ تعالیٰ بے مثال ہے مگر سمجھنے سمجھانے کے لئے مثالوں کا سہارا لینا پڑتا ہے جیسا کہ حضرت غالب کے اس شعر سے واضح ہے۔

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

لہذا اپنی بات کو واضح کرنے کے لئے کل کائنات کو ایک دائرے کی شکل میں ظاہر کیا گیا
اب اس دائرہ میں لکھی ہوئی سورۃ فاتحہ پر غور کریں۔ جس کی کل آیات سات ہیں۔ آیت ایاک
نعبد وایاک نستعین درمیان میں ہے جو دائرہ کو دو نصف کروں میں تقسیم کرتی ہے۔ اوپر والے
نصف کرہ کی تین آیات (الحمد سے لیکر ـــــــ یوم الدین تک) میں خالص اللہ تعالیٰ کی رضا بغیر
کسی لالچ یا خوف کے) کے لئے عبادت کرے اور صرف اسی سے مدد مانگے قبلہ خواجہ عبداللہ
انصاری ؒ کی ساری تعلیم اسی ایک آیت مبارکہ کی تشریح ہے تمام مخلوق میں انسان سب سے اشرف
ہے اور انسانوں میں سب سے اشرف وہ ہے جو اس صفت کامل کا حامل ہو گا کتنے کو تو بہت سے
دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں مگر میں بڑے بڑے توحید یوں اور توحید
پرستوں کو جانتا ہوں جو اخروی مفادات تو ایک طرف صرف دنیاوی مفادات کی خاطر اللہ تعالیٰ
عبادت کرتے ہیں (سب اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں) بہت سے بھائی ایسے ہیں جو صرف
لئے حلقے سے چمٹے ہوئے ہیں کہ کہیں ان کی دنیا برباد نہ ہو جائے کیونکہ خواجہ صاحب نے فرمایا
کہ جو حلقہ کو چھوڑے گا اس کی یہ دنیا اور وہ دنیا دونوں برباد۔ (جو حلقہ کی تعلیم کو چھوڑے گا)

حکائت

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؒ کے متعلق روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے
حضرت عثمان ہارونی کے ہمراہ اپنے دادا پیر حضرت مخدوم حاجی شریف زندانی ؒ کی خدمت میں حاضر
تھے وہ ان کے اخلاص سے بڑے متاثر ہوئے کیونکہ اخلاص ہی راس الحسنات ہے انہوں نے خوش
ہو کر فرمایا کہ فلاں دن فلاں وقت میں اپنے مکان کے جھروکے میں آؤنگا اس وقت جو بھی مجھے دیکھے
گا جنتی ہو گا مگر یاد رہے اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا ورنہ معاملہ اس کے برعکس ہو گا۔ لہذا وقت
مقررہ پر حضرت پیر صاحب جھروکے میں تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مخلوق خدا منتظر کھڑی
ہے سب نے دیدار کیا آپ واپس اندر تشریف لے گئے خواجہ اجمیری ؒ کو طلب کیا اور پوچھا کہ
سب لوگوں کو کیسے علم ہوا عرض کی میں نے منادی کروادی تھی فرمایا جو اس کا نتیجہ ہے عرض
کی حضرت پتہ ہے مگر میرے ایک کے دوزخ میں جانے کے بدلے اگر اللہ کی اتنی مخلوق جنت میں
چلی جائے تو سودا مہنگا نہیں ہے یہ سن کر پیر صاحب بے اختیار اٹھے گلے سے لگایا اور

جب آپ ہندوستان تشریف لائے یہاں کا بڑا راجہ پرتھوی راج تھا وہ اور اس کے کارندے آپؒ کے مسلمان مریدوں کو تنگ کرتے تھے درویشوں نے اس کی شکائت کی تو آپؒ نے جلال میں آکر فرمایا "ما پتھورا را زندہ گرفیتم" کہ ہم نے پتھورا (پرتھوی راج) کو زندہ گرفتار کرلیا ہے چنانچہ اگلے سال شہاب الدین غوریؒ حملہ آور ہوئے اور پرتھوی راج کو گرفتار کر کے ساتھ لے گئے اور حضرت قطب الدین ایبکؒ کو اپنا نائب مقرر کر گئے جنہوں نے ہندوستان میں باقاعدہ مسلمان سلطنت کی بنیاد رکھی لہٰذا ایسے لوگ اس مقام کے حامل ہوتے ہیں یہ مرتبہ کامل اخلاص کے بغیر حاصل نہیں ہوتا محاسبہ نفس کریں تو پتہ چلتا ہے کہ دل کے نہاں خانے میں کسی نہ کسی کونے کھدرے میں کوئی نہ کوئی بت ضرور رہے الا ماشااللہ جس کا انسان کو احساس تک نہیں ہوتا۔ بقول علامہ اقبالؒ

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

اگر انسان سب بتوں کو توڑ بھی دے اپنے زعم میں نفس و قلب کر مزکی و مصفا بھی کرلے تو جنت کی خواہش اور دوزخ کے خوف کا بت تو پھر بھی رہتا ہے اگر ہمت کر کے یہ بت بھی ختم کر دیا جائے تو وصال یار کے لطف لطیف کے حصول کا بت تو بڑے بڑے زاہدوں کے آنگن میں براجمان رہتا ہے۔ نمی گوئم کہ ایں دہ یا تو آں دہ جیسی کیفیت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے یعنی اللہ کی رضا کے سوا نہ کسی چیز کی خواہش نہ کسی چیز کا خوف ہو تو پھر ایسے لوگوں کا انعام عدل معمول اور اصول کے مطابق نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے دیا جاتا ہے جو کہ وہ خود ذات ہے۔ تو ایسے ہی لوگ شہنشاہ ہوتے ہیں۔

چاہ گئی چنتا گئی من بھیا بے پرواہ
بے پرواہ جسے کچھ نہ چاہئے وہی شہنشاہ

(جاری ہے)

استحکام پاکستان۔ ایک حاصل کلام عرضداشت

(آخری حصہ)

(کے۔ ایم۔ اعظم

5۔ تعلیم

ہمارے انحطاط کا کوئی فوری حل ماسوائے اللہ سبحان و تعالیٰ کی امداد غیبی کے موجود نہیں ہے۔ ہمارا مرکزی مسئلہ انسان سازی کا ہے اور یہ وقت طلب اور صبر آزما کام ہے۔ اس کے لئے ہمیں اپنی منزل کا غیر مبہم شعور ہونا چاہئے تاکہ اس کے حصول کے لئے جس قسم کے انسان ہمیں درکار ہوں اسی قسم کا نظام تعلیم ہم تشکیل کر سکیں۔ اگر حکومتی اداروں پر مغرب پرست، فرنگی گزیدہ اور اسلام دشمن طبقے کا غاصبانہ قبضہ ہو، تو یہ کام عوام کے غیر حکومتی اداروں اور دینی اوقاف کو کرنا ہوگا۔ پاکستان کو اس وقت ایسے کارکنوں کی ضرورت ہے جو توحید اور اتباع رسول ﷺ میں اولوالعزم ہوں اور جن کا جذبہ ایمان اقدار اور افکار کی حدود سے گذر کر کردار کا حصہ بن گیا ہو وہ ایسے رجال ہوں جو دنیا کی دونوں بڑی طاقتوں، خوف اور طمع پر توحید الٰہی کی ضرب کاری لگا چکے ہوں اور ان کی تیغ برہنہ کے پیچھے جذبہ ایمانی، فراست دینی، تعلق باللہ، حب رسول ﷺ، بلند فکری اور جوش عمل کا ایک حسین امتزاج ہو۔ مزید براں ان کے دلوں میں یہ یقین کامل گھر کر چکا ہو کہ سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس سے سچی محبت ہے۔ ہر پاکستانی کو بھی اس کا شعور ہونا چاہئے کہ پاکستان کو اسلام کا مضبوط قلعہ تبھی بنایا جا سکتا ہے جب کہ ہم میں سے ہر ایک بجائے خود اس کا ایک چھوٹا سا قلعہ بن جائے۔

یہاں پر تعلیم کا مسئلہ قوت کے ساتھ ابھرتا ہے۔ تعلیم کی اہمیت کا اندازہ افلاطون کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے کہ "معاشرے میں پائی جانے والی بد نظمی اور افراتفری دراصل ہمارے اپنے دماغ کی فکری ژولیدگی اور پریشان خیالی کا اظہار ہے"۔ جب تک ہمارا نظام باکردار، حق گو، انسان دوست افراد پیدا نہیں کرے گا، جمہوریت کی روایت ہمارے معاشرہ میں جڑ نہ پکڑ سکے گی۔ ہمارا بنیادی مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی، سماجی اور دینی ادارے ایسے روشن ضمیر، درخشندہ جبیں اور دلکش مسلمان پیدا نہیں کر پا رہے، جن کو دیکھنے کی آرزو اور تمنا ہم میں سے ہر کوئی اپنے دل میں لئے ہوئے ہے۔ مدارس، مساجد اور خانقاہیں تو موجود ہیں، مگر ان میں فکر و دانش

وجدان کی شمعیں گل ہو چکی ہیں۔ انسان سازی میں ہمارا المیہ یہ ہے کہ جو منکسر مزاج ہے، وہ کمزور ہے۔ جو طاقتور ہے وہ ظالم ہے جو صاحب علم ہے وہ صاحب کردار نہیں۔ جو صاحب کردار ہے وہ صاحب حکمت نہیں۔ جو صاحب ایمان ہے وہ صاحب علم نہیں اور جو صاحب علم ہے وہ بے ایمان ہے۔ موجودہ ناقص نظام تعلیم کے تحت سو فیصد خواندگی سے بھی ہمارے ہاں جمہوری روایت قائم نہ ہو گی بلکہ وہ ایسے ہی لوگ پیدا کرے گا جن کا مطمح حیات دولت کما کے سیاسی قوت حاصل کرنا ہو گا یا پھر سیاسی قوت حاصل کر کے دولت کمانا۔

ہمارے نظام تعلیم کا مقصد ایسے انسان پیدا کرنا ہونا چاہئے، جو ماضی سے پر جوش تعلق رکھتے ہوئے معاشرہ کو مستقبل کی طرف لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ یقیناً" وہ ایسے افراد نہیں ہونے چاہئیں جن کا مستقبل ان کے ماضی میں ہو۔ مزید وہ ایسے انسان ہوں، جن میں اپنے زمینی حالات کا صحیح ادراک کر کے کارگر حکمت عملی بنانے کی صلاحیت ہو۔ ہماری دینی تعلیم کا مقصد ان مذہبی رسم و رواج سے آزادی ہونا چاہئے، جنہوں نے انسان کے فکر و عمل کو اپنا قیدی بنایا ہوا ہو۔ مسلمانوں کے نظام تعلیم کے خدوخال کی نشاندی اللہ جل جلالہ نے رسول اکرم ﷺ کو تفویض کئے گے اربعہ فرائض کے ذریعے کر دی ہے اور یہ ہیں۔ تلاوت آیات، تزکیہ نفس، کتاب کی تعلیم اور حکمت کا سکھانا۔ (۲-۱۲۹-۱۵۱)

اب ہم آتے ہیں اپنے ممدوح سرسید احمد خان کی طرف۔ مگر اس سے پیشتر یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک نہایت ہی شاندار اور کار آمد نظام تعلیم ہندوستان میں ان کے آٹھ سو سالہ دور حکومت کے دوران جاری و ساری رہا، جسے انگریزوں نے 1857ء کے بعد یک قلم موقوف کر دیا۔

ہمارے ممدوح سرسید احمد خان سے تعبیر کی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے قوم رسول ہاشمی کی ترکیب کو اقوام مغرب پر قیاس کر کے اسے زوال سے نکلنے کا جو طریق کار مادہ پرستی، ملازمتوں کے حصول اور انگریزوں کی رضاجوئی کی شکل میں پیش کیا وہ دور اندیشی اور تاریخ کا عمیق فہم پر مبنی نہ تھا۔ سرسید اور ان کے معاونین کی نیت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کی تحریک کا مہلک نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانان ہند اپنے شاندار اور محترم ماضی سے آہستہ آہستہ دور ہو گئے۔ سرسید احمد خان کی تعبیر کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے اسباب زوال کی بنیادی حقیقت، وہن (یعنی دنیا کی محبت اور موت کا ڈر) کو نظرانداز کر کے قوم کی مادی منفعتوں کو مطلوب و مقصود بنا لیا اور ان منفعتوں سے عارضی محرومی کو زوال کا حقیقی سبب جان لیا۔ بے شک ایسے انداز فکر سے مستقل قومی فلاح کی امید رکھنا

خوش فہمی سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء کی تربیت یافتہ نسل نے مسلمانانِ ہند کی علمی، فکری، روحانی اور تمدنی زندگی کی مقتدر روایات کو دور خود اشتقاق سمجھا بلکہ مادی زندگی کی آسائشوں کو ملی زندگی کے اس قابل قدر تسلسل پر ترجیح دی۔ ان کے نزدیک بقول اکبر الٰہ آبادی زندگی کی معراج کلرکی کرنے، ڈبل روٹی کھانے اور خوشی سے پھول جانے میں تھی۔

علی گڑھ نے حالی، شبلی اور نذیر احمد جیسی نابغہ روزگار شخصیات تو پیدا کی تھیں، وہاں اکابرین کی قائم کردہ روایت کو آگے بڑھانے والے حضرات بھی موجود نہ رہ سکے۔ ایک اجنبی زبان کے ذریعے تعلیم و تدریس کے فیصلے نے برصغیر کے باشندوں کو ذہنی مرعوبیت اور مغلوبیت کا شکار کر کے ان کی تربیت کے سلسلے میں بڑی حد تک منفی کردار ادا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم کا ایک بڑا حصہ اپنی شاندار تاریخی روایات سے بے تعلق اور متنفر ہو گیا۔ علی گڑھ تحریک کی ابتدا جس اسلامی جوش و خروش اور ترقی کے ولولہ سے ہوئی تھی وہ آہستہ آہستہ ظاہری چمک دمک، دنیاوی کامیابی اور زمانہ سازی کے جذبے کے نیچے دبتا چلا گیا۔ ہمیں تعلیم صرف رزق میں توسیع کے لئے حاصل نہیں کرنی بلکہ اطاعت غیر اور مغرب کی حاقہ بگوشی سے نجات حاصل کرنے کے لئے بھی حاصل کرنی ہے۔ جب تک ہم اپنے ممدوح سرسید احمد خان کی ناقص تعبیر کی بھول بھلیوں سے نہیں نکلیں گے قومی سلامتی اور دینی فضیلت کا راستہ ہماری نظروں سے اوجھل رہے گا۔

اسلامی نظام تعلیم کا ہدف کردار سازی کے علاوہ اپنے تلامذہ میں صلاحیت اور حوصلہ پیدا کرنے استعماری تہذیب اور اس کی عریاں ثقافت کے سامنے بند باندھنا ہونا چاہئے۔ موجودہ اسلامی تعلیمی ادارے انسان سازی میں ناکام رہ گئے ہیں۔ تاریخ عالم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ تاریخ سازی میں صرف صاحب کردار لوگوں ہی نے رول ادا کیا ہے۔ منافقوں کا اس میں کوئی رول نہیں ہے۔ اگر ہم پاکستان کو اس کے انحطاط سے نکالنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ایک مثبت پروگرام (تعلیم و تربیت اور میڈیا) کے تحت پاکستانیوں کو منافقت کی دلدل سے نکالیں۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ منافقت سے نجات حاصل کئے بغیر ہماری کوئی بھی جدوجہد کامیابی سے ہمکنار نہ ہو گی:

منافقت کا نصاب پڑھ کر محبتوں کی کتاب لکھنا
بڑا کٹھن ہے خزاں کے ماتھے پہ داستان گلاب لکھنا

پاکستان کا مراعات یافتہ، بالادست طبقہ جامد (Static) نہیں، متحرک (Dynamic) ہے۔ آج کل اس طبقے کے بے شمار افراد غربا کے طبقے سے ابھرے ہیں۔ اس طرح دراصل مسئلہ فقط طبقاتی نہیں بلکہ اخلاق کا بھی ہے۔ حکیم سقراط سے جب پوچھا گیا کہ یونانی ریاست کب اور کیسے زوال پذیر ہو گی تو اس نے جواب دیا کہ جب دو قسم کے انسان حکومت میں داخل ہو جائیں گے۔ ایک و

جنہیں طاقت کی خواہش ہو گی' دوسرے وہ جنہیں دولت کا لالچ ہو گا۔

6۔ علماء کا عقلی فریم ورک

عالم اسلام کی فضیلت اور افضلیت کے راستے میں ہماری ایک بڑی غلطی حائل ہے۔ اگر ہم اس غلطی کو رفع کر لیں تو جلد ہی ملی تفاخر اور عظمت کو پا سکتے ہیں۔ ہمارے دینی زعما' علماء اور سیاسی قائدین کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ یہ سب سے پہلے اپنا اپنا عقلی اور علمی ڈھانچہ بناتے ہیں اور پھر اس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول عالی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو فٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں نہایت ادب سے یہ کہنا چاہوں گا کہ یہ گمراہی اور حالت کفر کی ایک قسم ہے۔ ہمیں چاہئے تو یہ کہ سب سے پہلے اپنے نفس اور اپنی عقل کو ذات الٰہی کے سامنے کلی طور پر عجز و انکسار اور اطاعت کے ساتھ پیش (Submit) کریں اور اپنے سارے مفادات ختم کر کے صرف اور صرف رسول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مفادات کو اپنا ہدف بنا لیں۔ جب ہم اس حالت کو پا لیں گے' تو اللہ تعالیٰ خود ہمیں صحیح راستہ بتائے گا اور جہاں کہیں بھی ہم غلطی کریں گے تو وہ ہماری اصلاح کرے گا۔ اول الذکر رویہ کے ساتھ منسلک رہتے ہوئے ہمارے دینی زعماء اپنے اپنے نظریاتی ڈھانچے کے مطابق لائحہ عمل مجوز کر کے ایک دوسرے کے مخالف صف آراء ہوتے رہتے ہیں۔ ان کو دین کا صحیح فہم نصیب ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی دیرپا اتحاد۔ اس طرح دشمنان اسلام کے آگے سینہ سپر ہونے کی بجائے وہ آپس میں متصادم رہتے ہیں اور دشمن کے سامنے ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ اسلام کی سرفرازی تو درکنار وہ اپنے دنیاوی وقار کو بھی کھو دیتے ہیں۔ ان کو نہ ہی اللہ کی حمایت و نصرت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی دنیاوی منفعت۔

درحقیقت اسلام میں مفادات نہیں ہوتے' جب کہ سیاست نام ہی مفادات کا ہے۔ جب سیاست اسلام میں داخل ہوتی ہے' تو اسلام اور سیاست دونوں خوار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے دینی اکابرین نے دین و سیاست کے اس نازک رشتہ کو پیش نظر نہیں رکھا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ سیاست دین پر غالب آ گئی اور اس ملک کو مومنوں اور کافروں کا میدان کارزار سمجھ لیا گیا۔

ہمارے اسلامی اکابرین اسلام کے چلتے پھرتے نمونے ہونے چاہئیں۔ جب ہمارے علماء اور مشائخ ہی طاغوت کا شکار ہو جائیں گے' تو ان کے منہ سے دین کی بات دین کو بدنام کرنے کے مترادف ہو گی۔ جب تک کسی تحریک کے داعیان کے کردار اعلیٰ اور ارفع نہ ہوں گے اور ان کی زندگیاں تحریک کے اغراض و مقاصد سے مطابقت نہیں رکھیں گی' تو اس وقت تک اس تحریک کی کامیابی کی امید نہیں کی جا سکتی:

کسے خبر تھی کہ لے کے چراغ مصطفوی ﷺ
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

پاکستان کی اسلامی تحریکوں میں یہ روایت زور پکڑ گئی ہے کہ ان کے زعما بند کمروں میں بھی ہی تعریف کرتے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کیونکہ وہ ظاہراً" اسلامی کام کر رہے ہیں لئے انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہے' جیسے انصاف کا ترازو اللہ کے ہاتھ میں نہیں' ان کے میں ہو۔ زمینی حقائق تو یہ پتہ دے رہے ہیں کہ وہ اب تک رضوان اللہ کے حصول میں کامیاب نہیں ہوئے ورنہ جب اللہ کی خوشنودی حاصل ہو جائے تو کسی اور کی خوشنودی کی ضرورت نہیں رہتی۔

7۔ ہماری یک طرفہ سوچ

گو نیکی ہر حال میں نیکی ہی رہتی ہے۔ مگر اس کے لئے ایک محل اور وقت ہوتا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ دشمن آپ کے گھر کے دروازے تک پہنچ گیا ہو اور آپ نماز کے لئے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔ بے شک تبلیغ دین ایک مستحسن عمل ہے مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنے سارے فرائض پس پشت ڈال کر اس کی ادائیگی کے لئے پہاڑوں کی طرف نکل جائیں۔ اسلام ایک جامع اور متوازن دین ہے جس میں ہر شے کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ مگر ہماری یک طرفہ سوچ نے دین قیم کا توازن بھی درہم برہم کر چکی ہے۔ ہم نے عبادات پر اپنی اتنی توجہ مرکوز کی کہ معاملات عملاً" دائرہ شریعت ہی سے نکال باہر کیا۔ ہم نے مسلکی فقہ پہ اتنا زور دیا کہ قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ کی بنیادی تعلیم نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ہم نے ظاہری احکام پر اس حد تک اصرار کیا کہ ہم دین اسلام کی روح ـــ خشیت الٰہی' تزکیہ نفس' حکمت اور اخلاق کو بھول گئے۔

ہمیں ہر واقع کو اس کے خاص پس منظر اور سیاق و سباق دیکھ کر ہی کوئی حکمت عملی وضع کرنی چاہئے' نہ کہ بغیر سوچے سمجھے ہر شے کو ایک ہی ڈنڈے سے ہانکنا چاہئے۔ مثلاً" ابن قیم نے بیان کیا ہے کہ ایک بار امام ابن تیمیہؒ اپنے رفقاء کے ہمراہ جا رہے تھے کہ راہ میں چند تاتاریوں کو شراب پیتے دیکھا۔ آپکے ساتھیوں نے انہیں روکنا چاہا' لیکن ابن تیمیہؒ نے اپنے ساتھیوں کو منع کرتے ہوئے فرمایا گو شراب ممنوع ہے کہ وہ انسان کو اللہ کے ذکر سے روکتی ہے لیکن یہاں وہی شراب وحشی تاتاریوں کو مخلوق خدا کے قتل اور لوٹ مار سے روکے ہوئے ہے۔ اس لئے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ مسلمانوں کو یک طرفہ محدود سوچ سے بچنا چاہئے اور نہ ہی بغیر سوچے مفروضوں پر یقین کرنا چاہئے۔ ماضی میں کئی ایک بار ہماری یہ یک طرفہ سوچ نہایت مہلک ثابت

ہوئی ہے۔ "شلا" کافر سوویت یونین کو تو ہم نے جہاد افغانستان کے ذریعے ملیا میٹ کر دیا مگر یہ نہ سوچا کہ اس کی وجہ سے دنیا میں ایک سیاسی اور عسکری توازن قائم تھا۔ اس توازن کو درہم برہم کر کے ہم نے شیطان بزرگ، مشرک امریکہ کو قطبی طاقت بنا کر مسلمانوں کی خونریزی کرنے کی کھلی چھٹی دے دی ہے۔ اس تاریخی تناظر میں ہم اگر جہاد افغانستان اور اس سے متعلقہ تباہی و بربادی کا جائزہ لیں، تو ہمارا سر فخر سے اونچا نہیں ہوتا، بالخصوص جب کہ یہ جہاد کردار سازی میں ناکام رہا۔ روسیوں کے دریائے آمو پار ہوتے ہی مجاہدین کے لشکر آپس میں ہی دست و گریباں ہو گئے۔

8۔ ریاست اور حکومت

ہمارے سیاست دانوں کا ایک رویہ استحکام پاکستان کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ ہمارے سیاست دانوں کو ریاست اور حکومت میں فرق کا شعور نہیں ہے۔ ایک سیاسی پارٹی انتخابات میں جیت کے بل بوتے پر اپنی حکومت تشکیل کرتی ہے، جس کا مقصد ریاستی اداروں اور محکموں کے ذریعے اپنے منشور کے اہداف کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہوتا ہے۔ جبکہ ریاستی ادارے حکومت کے قانونی احکامات بجالانے کے لئے مستعد رہتے ہیں مگر یہ حکومت کی ملکیت نہیں ہوتے کہ وہ اگر چاہے تو انہیں غیر قانونی کاموں کے لئے بھی استعمال کرے یا پھر ان اداروں میں بلا سوچے سمجھے اپنی مرضی کی تبدیلیاں لے آئے۔ ان اداروں کی مالک ریاست ہوتی ہے نہ کہ حکومت۔ کیونکہ سیاسی حکومتیں ریاست اور حکومت کی حدود کا احترام نہیں کرتی، اس لئے ہمیں سرکاری عمارتوں اور کاروں پر سیاسی پارٹیوں کے جھنڈوں کی بازاری نمائش نظر آتی ہے۔ ریاست کی علامت صدر اور اس کے تعینات کئے ہوئے صوبائی گورنر ہوتے ہیں۔ ملک کا عدالتی نظام ملک کے آئین اور ریاست کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔ ریاست کا انتظامی نظام ایسا ہونا چاہیئے کہ جس کے تحت سرکاری ملازمین کا اجر اور صلہ ان کی محنت اور ان کے احساس ذمہ داری پر مبنی ہو نہ کہ سیاسی حکمرانوں کی غلامی پر۔ ان کو یہ احساس دلایا جانا چاہیئے کہ وہ ریاست کے ملازم ہیں نہ کہ سیاسی حکومتوں کے ۔ دوسری طرف سیاسی حکومتوں کے ساتھ ریاست کا رویہ بھی معاندانہ ہے اور ریاست، بالخصوص اس کا عسکری بازو، سیاسی حکومتوں کو نیچا دکھانے کے لئے تلا رہتا ہے۔

9۔ اسلام کا مطمح نظر

اسلام کا مقصد ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل ہے جس کے تحت انسان کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا خوف نہ رہے اور اللہ کے سوا اسے کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانے کو حاجت نہ ہو اور وہ جب حصول رزق کے لئے اپنے گھر سے نکلے تو اس کی اپنی اہلیت و قابلیت کے سوا کوئی اور رکاوٹ

اس کے راستے میں حائل نہ ہو۔ اگر اس میں کوئی کمی من جانب اللہ ہو تو ریاست کا نظام احسان، کمی پوری کر دے۔ معاشرتی و معاشی نظام ایسا ہو کہ اسے تعلق باللہ کی نشوونما کے لئے بھی فراغت مل جائے جس کی برکت سے اس میں فقط اپنے حقوق کی بجائے، اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق کا شعور اجاگر ہو جائے۔

اسلام زمین کے ساتھ انسان کے تعلق کو اتنا اجاگر نہیں کرتا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ اس تعلق ماند پڑ جائے اور وہ دنیا کا ہی ہو کے رہ جائے۔ اسلام رنگ، نسل و زبان اور وطنیت کی نفی کر کے توحید کی بناء پر ایک روحانی الذہن قوم کی تشکیل کا خواہاں ہے۔ اسلام زمین اور خون کے رشتوں کی بجائے انسانی وحدت کو ایک مشترکہ نصب العین، عالمگیر اخوت انسانی اور احترام آدمیت کے اصولوں پر استوار کرنا چاہتا ہے۔

اسلامی نظام کے اہداف اور ہماری روزمرہ کی زندگی کے درمیان خلیج بہت ہی وسیع ہے۔ نظریاتی دینداری کے پیچھے بھاگتے ہوئے ہم مسلم ہندوستان کی شاندار تاریخ سے کٹ کر بے راہرو ہو گئے ہیں۔ بنیاد پرست علماء ایسے متن پرست، کٹر اور مجرد اسلام کی تعلیم دیتے ہیں، جس کا کوئی تاریخی پس منظر نہیں۔ نظریاتی نعرہ بازی ہمارے جذبات کو ابھار دیتی ہے، جن کو ہمارا عمومی اخلاق سنبھال نہیں سکتا اور ہمارے نعرے تعمیر کی بجائے تخریب کا باعث بن جاتے ہیں۔

عقیدہ ہوا میں قائم نہیں ہوتا اس کے لئے زمین بھی چاہئے اور لوگ بھی۔ لوگوں کو عقیدہ کے ساتھ منسلک رکھنے کے لئے ان کے دل موہ لینے پڑتے ہیں۔ زمین کو ویران کر کے اور لوگوں کو برباد کر کے دین قائم بھی ہو گیا تو جنگل میں مور نچانے کے مترادف ہو گا۔ اس لئے اسلام میں عقیدہ کے ساتھ ساتھ حکمت پر بھی زور دیا گیا ہے اور اسے مومن کی گم شدہ نعمت قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے اس ارض پاک پر اسلام صحیح معنوں میں تب ہی رائج ہو گا، جب بقول پروفیسر عبدالجبار شاکر عقیدہ ثقافت میں ڈھلے گا اور ثقافت تمدن میں، تمدن ریاست میں اور ریاست ملت میں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان ممالک پہلے خاموشی سے اپنے آپ کو مضبوط کریں۔ اپنے ملکوں میں تعلیم سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیں۔ جب یہ ممالک معاشی طور پر مضبوط اور سیاسی طور پر متحد ہو جائیں گے تو ان کی کہی ہوئی بات کا وزن ہو گا۔ حیرت ہے اتنا مال و زر ہونے کے باوجود اسلامی دنیا کا نہ کوئی بین الاقوامی اخبار ہے اور نہ ہی ٹی وی چینل۔ دوسری طرف جب بھی کوئی اسلامی ادارہ بین الاقوامی سطح پر ابھرے گا، مغرب اس کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا، جیسا کہ اس نے BCCI بنک کے ساتھ کیا۔ اس لئے اس کام کو بھی بڑی حکمت سے کرنا پڑے گا۔

پاکستان میں دعوت و اصلاح کی حکمت عملی

(محمد موسیٰ بھٹو)

اقامت دین کے لئے سب سے پہلی چیز ایمان کا قلبوں میں محبوب اور راسخ ہو جانا (جس کے زیر اثر سارے نفسیاتی روگ ختم ہوں) ہے بد قسمتی سے اس وقت سب سے زیادہ غفلت و عدم توجہی اسی چیز سے ہے' اسے جو اہمیت دینا چاہئے تھی اس کا عشر عشیر بھی نہیں دی گئی۔ اقامت دین کی بعض جماعتوں کے پاس مراکز کے ساتھ ساتھ کارکنوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ لیکن ان کے ہاں تزکیہ نفس کے لئے تہجد' ذکر اذکار اور عبادتی پہلو کے لئے گہرا اور قابل ذکر انتظام و اہتمام موجود نہیں۔ یہ کام جو اجتماعی جدوجہد کے لئے کلید اور روح کی حیثیت رکھتا ہے اسے ان جماعتوں نے کارکنوں کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ یقیناً" تربیت اور خدا سے راز و نیاز کا معاملہ افراد کا ذاتی معاملہ ہے لیکن انسان کا یہ خاصا ہے کہ نفس سے متصادم چیزوں کے لئے جب تک تربیت کے گہرے سسٹم کے ذریعہ مزاج کی مناسبت اور عادت پیدا نہ ہو' تب تک اس طرح کی چیزوں کا پابند ہونا ان کے لئے دشوار ہے اس سلسلہ میں غالباً" ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی ہے کہ اقامت دین کی تحریکیں اخلاص کے ساتھ یہ سمجھتی ہیں کہ تہجد' ذکر' اذکار اور گہرے عبادتی پہلو کی دین میں نوافل سے زیادہ اہمیت نہیں چنانچہ نوافل کے لئے اہتمام کو وہ ضروری نہیں سمجھتی۔ اس سلسلہ میں جو اہم نکتہ نظر انداز ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض نوافل ایسے ہیں جو فرائض کی ادائیگی کی استعداد' صلاحیت اور حوصلہ پیدا کرنے کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں ان کی عدم ادائیگی سے فرائض تو ادا ہو جاتے ہیں لیکن ان میں پوری طرح روح سمائی ہوئی کم ہی ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورتحال میں جب کہ داخلی طور پر ہمارے اندر ایمان و عمل کی بہت ساری کمزوریاں موجود ہوں۔ دل کی دنیا مادیت سے سرشار ہو۔ اختلاف رائے

کے وقت دل کو دشمنی، رقابت اور کدورت سے بچانا مشکل ہو۔ خدا سے محبت کے
دل کسی طور پر بھی آمادہ نہ ہو۔ اس طرح کی بے شمار کمزوریوں کے ہوتے ہوئے خار
زندگی میں اقامت دین کے کام کو تضاد ہی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس تضاد کو خدائی محبت
سے دور کرنے اور اپنے اوپر دین کو قائم کئے بغیر عملاً" اقامت دین کی تکمیل ہونا ممکن
نہیں۔

اقامت دین کی ترجیحات میں اللہ کی محبت اور تزکیہ نفس کے لئے خصوصی اہتمام
ضروری اور اس فکر کو دیگر تمام فکروں پر مسلط کرنا چاہیے اگر اس سلسلہ میں حقیقی
اضطراب پیدا کیا جائے تو انشاء اللہ تزکیہ نفس کی صورت نکل آئے گی۔ قرآن کے مطالعہ
سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیہ نفس پیغمبر کرتا ہے۔ پیغمبر کے بعد یہ کام مربی و مزکی کے زیر
صحبت ہی بہتر طور پر ہو سکتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بیک وقت تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کے
مالک تھے۔ وہ بیک وقت حکمران اور فوجی سربراہ بھی تھے تو مربی و مزکی بھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
کی شخصیت کے یہ اثرات صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین تک آتے آتے کم ہو گئے۔
اس کے بعد بالعموم یک جہتی صلاحیتوں کا دور شروع ہو گیا۔ فقہ کا کام فقیہوں نے سنبھال
لیا۔ حدیث کا کام محدثوں نے سنبھال لیا۔ تفسیر کا کام مفسروں نے، اسی طرح تزکیہ کا کام
مربیوں اور مزکیوں کے حوالے ہو گیا۔

تزکیہ کی اہمیت غیر معمولی اس لئے ہے کہ نفس کی معمولی اکساہٹ، اخلاص کی کمی
اور نیت کی خرابی کی وجہ سے بڑے بڑے اعمال غارت ہو سکتے ہیں اور انسان کا زندگی بھر
کا کمایا ہوا سرمایہ حیات تزکیہ میں نقص کی وجہ سے تباہ ہو سکتا ہے اور شیطان کا سب سے
بڑا حملہ نیت کے حوالہ سے ہی ہوتا ہے اور عالم، فاضل، واعظ، دانشور، اسکالر، فقیہ،
مصنف اور اجتماعی کام کرنے والے سب سے زیادہ شیطان کی زد میں ہوتے ہیں۔ شیطان
کا یہ حملہ اتنا نازک اور خوبصورت پردوں میں چھپا ہوا ہوتا ہے کہ حملہ کے شکار افراد

بعض اوقات اس کے ادراک سے ہی قاصر رہ جاتے ہیں۔ یہاں یہ نکتہ ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ علم و فضل دانشوری اور دینی خدمات کی بڑی سے بڑی مقدار بھی تزکیہ اور نیب میں نقص کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ یعنی تزکیہ کے بغیر محض علم و فضل میں کمال حاصل ہونا اور دین کے لئے بڑے معرکے سرانجام دینا بظاہر اس کی اہمیت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو لیکن امر واقعہ کے اعتبار سے اس کی اہمیت سراب سے زیادہ نہیں ہے۔

اس وقت ہمارے دینی حلقوں میں جو انتشار اور خلفشار موجود ہے (جس کی وجہ سے مذہب و اہل مذہب کی ہوا اکھڑ گئی ہے) اگر اس کا گہرا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس میں بزرگی، بڑائی اور برتری و عظمت کے احساس کو عمل دخل حاصل ہے۔ ہر مذہبی گروہ شعوری یا غیر شعوری طور پر سمجھتا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں دوسرے مذہبی گروہوں سے فائق و برتر ہے اس لئے دوسروں کی بزرگی کو تسلیم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اپنی بڑائی اور عظمت کا احساس ایسی چیز ہے جس کے بعد دوسروں کے ہاں موجود حق کو حق سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے، اپنی کمزوریوں پر نظر رکھنے اور دوسرے مذہبی گروہ سے مفاہمت و مصالحت کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے گویا سب کو وحی کے ذریعہ اپنے حق کے حق ہونے کی اطلاع ملی ہے۔ بہرحال نفس کی یہ کمزوری بظاہر ایک معمولی کمزوری ہے جو دیکھنے میں نظر نہیں آتی، لیکن نتائج کے اعتبار سے یہ سب سے بڑا نقص ہے جو تمام نیک اعمال کے ضیاء کا موجب بن سکتا ہے۔ اس وقت یہ بیماری عام ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ مذہبی پردوں میں موجود ہے۔ شیطان نیک لوگوں میں دوسرے طریقوں سے نفوذ میں اکثر ناکام ہو جاتا ہے۔

لیکن وہ اس حوالہ سے نفوذ میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس لئے شیطان نے کہا تھا۔

واذقلنا للملائکته السجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس قال ءاسجد لمن خلقت طینا قال ارئیتک هذاالذی کرمت علی لئن اخرتن الی یوم القیامته لاختنکن ذریته الا قلیلا

"اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا۔ مگر

ابلیس نے نہیں کیا۔ اس نے کہا کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی س
پیدا کیا ہے اس نے کہا' ذرا دیکھئے تو سہی یہ ہے وہ شخص جس کو تو نے مجھ پر عزت دی
اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی تم
اولاد کو کھا جاؤں گا"۔

آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو اللہ کی اطاعت سے انکا
نہیں تھا بلکہ اپنے سے کم تر فرد کے سامنے جھکنے سے اعتراض تھا۔ چونکہ شیطان اپنی بڑا
اور عظمت کی نفسیات میں جی رہا تھا۔ اس لئے وہ سجدہ کر کے دوسرے کی عظمت تسلیم
کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس حکم نے اس کی انا کو اتنا مشتعل کر دیا کہ اس نے اللہ
تعالیٰ کو اولاد آدم کو ہلاک کرنے کا چیلنج دیدیا۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ہندوستا
کے ممتاز عالم دین وحید الدین خان "تذکیر القرآن" میں لکھتے ہیں۔ فرشتے اور ابلیس
قصہ بتاتا ہے کہ ماننے والے کیسے ہوتے ہیں اور نہ ماننے والے کیسے۔ ماننے والے لوگ
حق کو حق کے لحاظ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اس کو سمجھنے میں انہیں دیر نہیں لگتی وہ فور
اس کو سمجھ کر مان لیتے ہیں جیسا کہ آدم کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے کیا۔ دوسر
لوگ وہ ہیں جو حق کو اپنی ذات کی نسبت سے دیکھتے ہیں۔ شیطان نے یہی کیا۔ اس
اپنی ذات کی نسبت سے دیکھا' چونکہ سجدہ آدم کا حکم آدم کو بظاہر بڑا کر رہا تھا اور اس
چھوٹا اس لے اس نے ایسے حق سے انکار کر دیا جس کو ماننے کے بعد اس کی اپنی ذا
چھوٹی ہو جائے۔ شیطان نے خدا کو جو چیلنج دیا تھا اس کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو ہر وہ شخ
شیطان کا شکار نظر آئے گا جو حق کو اس لئے نظر انداز کر دے کہ اس کو ماننے کی صور
میں اس کی اپنی ذات دوسرے کے مقابلہ میں چھوٹی ہو جائے گی"۔

اس وقت ------ دینی شخصیتوں اور دینی جماعتوں کے بارے میں لوگوں کو خ
حیرت ہے کہ جب دین اور ملک و ملت کو درپیش خطرات سے نجات کے لئے ان کو با

قربت و مفاہمت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے تو ایسے موقعہ پر بھی وہ آپس کی رنجشوں اور باہمی تنازعات کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں جب کہ لادین قوتیں مزاج اور طریق کار کے شدید اختلافات کے باوجود باہم دگر تعاون کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم تک بنالیتی ہیں اور اس سلسلہ میں انا کو حائل ہونے نہیں دیتی۔ حقیقت یہ ہے کہ تزکیہ نفس کے بغیر دنیا کا دوسرا کام تو ہو سکتا ہے لیکن دین کا کام ہونا ممکن نہیں۔ دین کے اجتماعی کام کے لئے داعی، قائد یا پیشرو کارکن کا کردار ادا کرنے کے لئے سب سے پہلے کچھ عرصہ کے لئے اپنی علمی، داعیانہ اور قائدانہ حیثیت اور اجتماعی کام کے جذبہ کو دبا کر حقیقی مربی کی صحبت میں زانوئے تلمذ کی حیثیت سے شریک ہونا چاہیے۔ جب ان کی صحبت سے ذکر و فکر اور خلوت میں عبادت کی عادت مستحکم ہو جائے اور "انا" کی قابل ذکر حد تک اصلاح ہو جائے تو اس کے بعد دین کے اجتماعی کاموں اور تحریکوں میں سرگرم اور متحرک کردار ادا کرنا چاہئے۔ حقیقی مربی کے زیر صحبت تربیت کے بعد داعی، قائد اور لیڈر ایک نئی روشنی سے آشنا ہو گا، ایسی روشنی جس سے باطنی امراض آشکار ہوں گے اور وہ اندر کی تہہ در تہہ برائیوں کو نہ صرف دیکھ سکے گا بلکہ ان پر کنٹرول بھی کر سکے گا۔ وہ اخلاق و کردار اور رواداری میں مثالی ثابت ہو گا۔ اپنوں کے لئے نرم اور دشمنوں کے لئے سخت ثابت ہو گا۔ مربی کی صحبت کے بغیر ظاہری دنیداری تو پیدا ہو جاتی ہے لیکن اخلاص پر مبنی باطنی کیفیات (جو دین کو مطلوب ہیں) اپنے طور پر پیدا ہونا بہت دشوار ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

صورت و حقیقت

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

اس مضمون کا کچھ حصہ اکتوبر کے شمارہ میں چھپ چکا ہے بقیہ پیش خدمت ہے

صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں

امت میں جو سب سے بڑا انقلاب ہوا وہ یہ کہ اس کی ایک بڑی تعداد اور شاید سب سے بڑی تعداد میں صورت نے حقیقت کی جگہ لے لی۔ یہ آج کی بات نہیں' یہ صدیوں پرانی حقیقت ہے صدیوں سے صورت نے حقیقت کی جگہ حاصل کر رکھی ہے۔ عرصہ تک دیکھنے والوں کو صورت پر حقیقت کا دھوکہ ہوتا رہا اور وہ حقیقت کے ڈر سے اس صورت کے قریب آنے سے بچتے رہے لیکن جب کسی نے ہمت کر کے اس صورت کو چھوا تو معلوم ہوا کہ اندر سے پول ہے اور حقیقت غائب ہو چکی ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کبھی کبھی کاشتکار کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اس پر کوئی کپڑا ڈال دیتا ہے جس کو دیکھ کر پرندوں اور جانوروں کو شبہہ ہوتا ہے کہ کوئی آدمی رکھوالی کر رہا ہے لیکن اگر کبھی کوئی سیانا کوا ہوشیار جانور ہمت کر کے کھیت پر جا پڑے تو ظاہر ہے کہ وہ بے جان ڈھانچہ کچھ نہیں کر سکتی' پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جانور اس کھیت کو روند ڈالتے ہیں اور پرندے اس کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا' ان کی صورت حقیقت بن کر برسوں ان کی حفاظت کرتی رہی' قومیں ان کے قریب آنے سے ڈرتی تھیں' حقیقت اسلام کے واقعات ان کے ذہن میں تازہ تھے اور کسی کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی' لیکن کب تک؟ جب تاتاریوں نے بغداد پر چڑھائی کی جس پر حملہ کرنے سے وہ برسوں احتیاط کرتے رہے' تو اس صورت کی حقیقت کھل گئی اور مسلمانوں کا بھرم جاتا رہا۔ اس وقت سے صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے' اب صرف حقیقت اسلام ہی اس امت کی حفاظت کر سکتی ہے۔

ہماری خطاء

آپ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی ناکامی کی تلخ داستانیں پڑھتے ہیں' یہ حقیقت کی شکست کے واقعات نہیں' یہ سب صورت کی شکست و ہزیمت کے واقعات ہیں' صورت نے ہم کو ہر معرکہ میں رسوا و ذلیل کیا ہے لیکن خطا ہماری تھی' ہم نے غریب صورت پر حقیقت کا بوجھ رکھنا چاہا وہ

بوجھ کو سہار نہ سکی۔ خود بھی گری اور عمارت کو بھی زمین پر لے آئی۔

حقیقت اسلام مدتوں سے میدان میں آئی ہی نہیں

عرصہ دراز سے صورت اسلام معرکہ آزما ہے اور شکست پر شکست کھا رہی ہے اور حقیقت اسلام مفت میں بدنام اور دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہو رہی ہے' دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم اسلام کو شکست دے رہے ہیں' اس کو خبر نہیں کہ حقیقت اسلام تو مدت سے میدان میں آئی ہی نہیں' اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صرف صورت ہے نہ کی اسلام کی حقیقت۔

یورپ کی قوموں کے مقابلہ میں ترکی میدان میں آیا' لیکن اسلام کی ایک نڈھال صورت لے کر' یہ نحیف و نزار صورت مقابلہ میں ٹھہر نہ سکی' فلسطین میں تمام عرب قومیں اور سلطنتیں مل کر یہودیوں کے مقابلہ میں آئیں لیکن حقیقت اسلام شوق شہادت' جذبہ جہاد اور ایمانی کیفیات سے اکثر عاری' عربی قومیت کے نشہ میں سرشار' صرف اسلام کے نام و نسبت سے آراستہ' نتیجہ یہ ہوا کہ اس بے روح صورت نے یہودیوں کی جنگی قوت و تنظیم و اسلحہ کی حقیقت سے مات کھائی' اس لئے کہ صورت حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی' یہودی ایک حقیقت رکھتے تھے اگرچہ سرتاپا مادی' عرب صرف ایک صورت رکھتے تھے' اگرچہ مقدس' لیکن صورت صورت ہے اور حقیقت حقیقت ہے۔

رحمت و نصرت' تائید و اعانت کے وعدے حقیقت سے متعلق ہیں

اسلام کی صورت اللہ کے یہاں ایک درجہ رکھتی ہے اس لئے کہ اس میں مدتوں اسلام کی حقیقت بسی ہوئی رہی ہے اور یہ اسلام کی حقیقت کا قالب ہے' اسلام کی صورت بھی اللہ کو پیاری ہے اس لئے کہ اس کے محبوبوں کی پسندیدہ صورت ہے' اسلام کی صورت بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے اس لئے کہ اس صورت سے حقیقت اسلام کی طرف منتقل ہونا نسبتاً آسان ہے' جہاں صورت بھی نہیں وہاں حقیقت پر پہنچنا بہت مشکل ہے' لیکن دوستو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت کے وعدے دنیا میں اور مغفرت و نجات اور ترقی درجات کے وعدے آخرت میں سب حقیقت سے متعلق ہیں نہ کہ صورت سے' حدیث میں ہے: ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے' جو لوگ صرف صورت کے حامل تھے اور حقیقت سے یکسر خالی تھے ان کو وہ ان لکڑیوں سے تشبیہ دیتا ہے جو کسی سہارے رکھی ہوئی ہیں' وہ فرماتا ہے:۔

واذا رایتھم تعجبک اجسامھم وان یقولوا تسمع لقولھم کانھم خشب مسندۃ یحسبون کل

صیحتہ علیھم

"اگر تم ان کو دیکھو تو تم کو ان کے جسم بڑے بھلے معلوم ہوں گے وہ بات کریں گے تو تم کان لگا کر سنو گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ لکڑیاں ہیں جو سہارے سے رکھی ہوئی ہیں' ہر آواز کو وہ اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں"

دین کے اقتدار اور امن و اطمینان کا وعدہ

دنیا میں بھی فتح و نصرت و تائید و اعانت کے وعدے حقیقت ایمان ہی کے ساتھ مشروط ہیں صاف فرماتا ہے۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

"ست و غمگین نہ ہو' تم ہی سربلند ہو اگر تم (حقیقتہ") صاحب ایمان ہو"

ظاہر ہے کہ اس آیت میں خطاب مسلمانوں ہی کو ہے لیکن پھر بھی شرط لگائی ہے کہ اگر تم میں حقیقت ایمان پائی جاتی ہے تو پھر تمہاری سربلندی میں شک نہیں۔

دوسری آیت میں بھی صفت ایمان ہی پر اپنی مدد کا وعدہ فرمایا۔

ان لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد (المومن)

"ہم ضرور ضرور اپنے پیغمبروں کی مدد کریں گے اور ان لوگوں کی جو صفت ایمان سے متصف ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی جب اللہ کے گواہ کھڑے ہوں گے۔

اسی حقیقت ایمانی پر خلافت ارضی' دین کے اقتدار اور امن و اطمینان کا وعدہ فرمایا ہے۔

وعداللہ الذین امنوا منکم و عملوالصلحت یستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا

"ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان رکھتے ہیں اور جن کے عمل صالح ہیں اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین کی خلافت سے سرفراز کریگا جیسے ان لوگوں کو سرفراز کیا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے دین کو جو اللہ کا پسندیدہ ہے اقتدار عطا فرمائے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔"

لیکن باوجود اس کے کہ یہ سارے وعدے ایمان و عمل صالح کی بنیاد پر تھے پھر یہ شرط فرمائی کہ یہ ضروری ہے کہ ان میں اسلام کی حقیقت (توحید کامل) پائی جائے۔

یعبدوننی لایشرکون بی شیاء (النور)

"(اس شرط سے) کہ میری عبادت کریں گے' میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے"

امت کی سب سے بڑی خدمت

پس اس وقت سب سے بڑا کام اور امت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کے عموم اور سواد اعظم کو صورت سے حقیقت کی طرف سفر کرنے کی دعوت دی جائے' صورت اسلام میں روح اسلام اور حقیقت اسلام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے' اس وقت امت کی سب سے بڑی احتیاج یہی ہے اسی سے اس کے سب حالات اور اس کے نتیجہ میں دنیا کے حالات بدلیں گے' دنیا کے حالات اس امت کے حالات کے اور اس امت کے حالات اس حقیقت کے تابع ہیں' یہ امت حضرت مسیح (علیہ السلام) کے الفاظ میں زمین کا نمک ہے' دیگ کا مزا نمک کے تابع ہے اور نمک کا مزا اس کی نمکینی پر موقوف ہے' اگر نمک کی نمکینی ختم ہو جائے تو وہ نمک کس کام کا؟ اور پھر کھانے کو خوشذائقہ بنانے والی چیز کہاں سے آئے گی؟ آج ساری زندگی بے کیف اور بے روح ہے اس لئے کہ اس امت کی بڑی تعداد حقیقت سے عاری اور روح سے خالی ہے' پھر زندگی میں روح اور حقیقت کہاں سے آئے گی؟

دوسری قوموں کی زندگی کی جڑیں خشک ہو چکی ہیں

دنیا کی اور قومیں بھی ہیں جو ہزاروں برس سے اپنے مذہب کی حقیقت اور روح سے خالی ہو چکی ہیں اور ان میں صرف چند بے روح رسمیں اور چند بے حقیقت صورتیں رہ گئی ہیں' لیکن ان قوموں کی دینی و روحانی زندگی ختم ہو چکی ہے' ان کی زندگی کے سوتے خشک ہو چکے ہیں۔ آج دنیا کی کوئی طاقت' کوئی شخصیت' کوئی اصلاح ان میں دینی زندگی اور حقیقی روح پیدا نہیں کر سکتی' ایک نئی قوم کا بن جانا ان قوموں کی دوبارہ زندگی سے آسان ہے' جن لوگوں نے ان قوموں میں از سر نو زندگی اور اخلاقی روح پیدا کرنے کی انتہائی جدوجہد کی' وہ زمانہ حال کے وسائل اور سہولتوں کے باوجود سخت ناکام رہے' اس لئے کہ درحقیقت ان میں ایمان و یقین اور دینی روح پیدا کرنے کا سرچشمہ عرصہ ہوا خشک ہو چکا ہے' زندگی کا سرا اور سر رشتہ کٹ چکا ہے۔ جب کسی درخت کی جڑ خشک ہو چکی ہو اور اس کی رگیں زمین چھوڑ چکی ہوں تو اس کی پتیوں کو پانی دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کے لئے حقیقت کی طرف ترقی کرنے کی ضرورت

لیکن اس امت کی زندگی کا سرچشمہ موجود ہے اس امت کی زندگی کا سرا موجود ہے اور یہ

امت اس سے وابستہ ہے' وہ ہے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان' آخرت اور حساب کتاب کا یقین' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار' اس امت کا اس گئی گزری حالت میں بھی اللہ اور اس کے رسول سے جو تعلق ہے وہ دوسری قوموں کے خواص کو بھی نصیب نہیں' اس انحطاط کے زمانہ میں بھی جتنی حقیقت اس میں پائی جاتی ہے وہ دوسری قوموں میں مفقود ہے' اس کی کتاب آسمانی (قرآن مجید) محفوظ ہے اور اس کے ہاتھوں میں ہے' اس کے پیغمبر کی سیرت اور زندگی جو آج بھی ہزاروں لاکھوں دلوں کو گرما دینے اور زمانہ کے خلاف لڑا دینے کی طاقت رکھتی ہے مکمل طور پر موجود ہے اور آنکھوں کے سامنے ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی اور ان کی زندگی کا انقلاب اور ان کی کوششوں سے دنیا کا انقلاب نظر کے سامنے موجود ہے۔ یہ سب زندگی کے سرچشمے ہیں' یہ سب حرارت اور روشنی کے مرکز ہیں۔ صرف اس کی ضرورت ہے کہ اس امت میں صورت سے حقیقت کی طرف ترقی کی ضرورت کا عام احساس پیدا ہو' زندگی کے ان مرکزوں سے تعلق پیدا ہو اور مادی و معاشی انہماک سے اس کو ان مرکزوں سے اکتساب فیض کی فرصت ملے اور وہ اپنی اصلی زندگی کے چند دن گزار کر اپنی زندگی میں انقلاب اور اپنی پوری زندگی میں ایمان و احتساب اور اس کے وعدوں پر یقین اور اس کی رضا کے شوق میں کام کی روح پیدا کرے۔

ہماری دعوت صرف یہ ہے کہ۔

یاایہا الذین امنوا امنوا

"اے مسلمانو' صورت اسلام سے حقیقت ایمان کی طرف ترقی کرو"

ہمارے مستقل ہفتہ وار اجتماعات جن کی ہم شہر شہر اور قصبہ قصبہ دعوت دیتے ہیں' اسی لئے ہیں کہ ہر آبادی میں ایسے مرکز قائم ہوں جہاں مسلمان جمع ہو کر اپنی زندگی کا بھولا ہوا سبق یاد کریں جہاں سے انہیں حقیقت اسلام کا پیغام ملے' جہاں سے ان کو اپنی کھوئی ہوئی زندگی کا سراغ لگے' جہاں سیرت نبوی ﷺ اور اصلی اسلامی زندگی کے واقعات اور دین کی بنیادی و اصولی دعوت کے ذریعہ ان میں دینی جذبات و احساسات بیدار ہوں اور ان میں دینی انقلاب کی خواہش پیدا ہو' اگر یہ مرکز اور اس طرح کے اجتماعات نہ ہوئے تو بڑے پیمانے پر طاقتور اور موثر طریقہ پر امت کی اکثریت میں "حقیقت اسلام" اور روح اسلام پیدا ہونے کی کیا توقع ہے؟

پھر ہم مسلمانوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ کچھ دن اسلام کو حاصل کرنے اور اس کو اپنے میں راسخ کرنے کے لئے اپنے اوقات فارغ کریں اور اس ماحول سے نکل کر جس میں حقیقت اسلام پنپنے اور ایمانی کیفیات ابھرنے نہیں پاتیں' ایک ایسے ماحول میں وقت گزاریں جہاں اصلی زندگی کی

جھلک موجود ہو' جہاں علم و ذکر' دعوت و تبلیغ' خدمت و ایثار' تواضع و خلاق' محنت و جفاکشی کی زندگی ہو' ہم اس وقت مسلمانوں کو اس مقصد کے لئے جماعتوں کی شکل میں نکلنے کی دعوت دیتے ہیں' اگر مسلمانوں کی بڑی تعداد اس کو جز زندگی بنالے اور اس کا رواج پڑ جائے تو ہم کو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ کروڑوں مسلمانوں تک حقیقت اسلام کا یہ پیغام پہنچ جائے گا اور لاکھوں مسلمانوں کی زندگی میں دینی روح' ایمان و اسلام کی حقیقت اور اس کی صفات و کیفیات پیدا ہو جائیں گی۔

حقیقت اسلام دوبارہ پیدا ہو سکتی ہے

حضرات! ہم اس سے بالکل مایوس نہیں ہیں کہ اس زمانہ میں حقیقت اسلام پیدا نہیں ہو سکتی' ہم کسی ایسے زمانہ اور انقلاب کے قائل نہیں جس میں حقیقت اسلام دوبارہ پیدا نہیں کی جا سکتی' آپ پیچھے مڑ کر دیکھئے' تاریخ کے سمندر میں آپ کو حقیقت اسلام کے جزیرے بکھرے ہوئے نظر آئیں گے' بارہا حقیقت اسلام ابھری اور ایمان کی کیفیات پیدا ہوئیں۔ وہی اللہ اور رسول پر یقین و اعتماد' وہی شہادت کا ذوق' جنت کا شوق' وہی دنیا و آخرت کی ترجیح' جب کبھی اور جہاں کہیں حقیقت اسلام پیدا ہو گئی اس نے ظاہری قرائن و قیاسات کے خلاف حالات پر اور مخالف طاقتوں پر فتح پائی ہے۔ تمام گزرے ہوئے واقعات کو دہرادیا ہے اور قرن اول کی یاد تازہ کر دی ہے۔

حقیقت اسلام میں آج بھی طاقت ہے

حقیقت اسلام اور حقیقت ایمان میں آج بھی وہی طاقت ہے جو ابتدائے اسلام میں تھی' آج بھی اس سے وہ تمام واقعات ظاہر ہو سکتے ہیں جو اس سے پہلے ظاہر ہوئے ہیں۔ آج بھی اس کے سامنے دریا پایاب ہو سکتے ہیں۔ سمندر میں گھوڑے ڈالے جاسکتے ہیں' درندے جنگل چھوڑ سکتے ہیں بھڑکتی ہوئی آگ گلزار بن سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ حقیقت ابراہیمی موجود ہو۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اہم اطلاع

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کی طرف سے تمام بھائیوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ **سالانہ اجتماع** سے پہلے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تصانیف کا سالانہ دورہ مکمل کر کے یعنی مطالعہ کر کے تشریف لائیں۔

کراچی کے بھائی پروفیسر منیر احمد لودھی صاحب کی والدہ ماجدہ اور رسالپور کے بھائی چوہدری محمد شریف صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ تمام برادران سے التماس ہے کہ ان کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالی کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالے نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت و ادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

FALAH-E-ADMIAT

Registerd

CPL No. 491

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

اللہ

صداقت — محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ
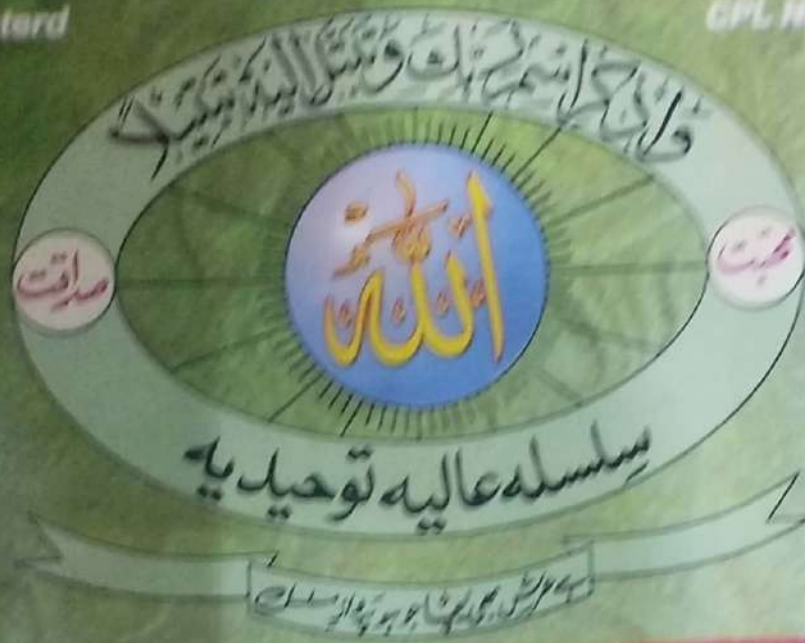
بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا تا کہ متلاشیان حق راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔

☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح۔

☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے۔

☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔

☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے۔

☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت الشہود میں فرق

☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعویٰ انا الحق کی توجیہ۔

☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں۔

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تمحیص کے بعد حقیقت طشت ازبام کر دی گئی ہیں اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔